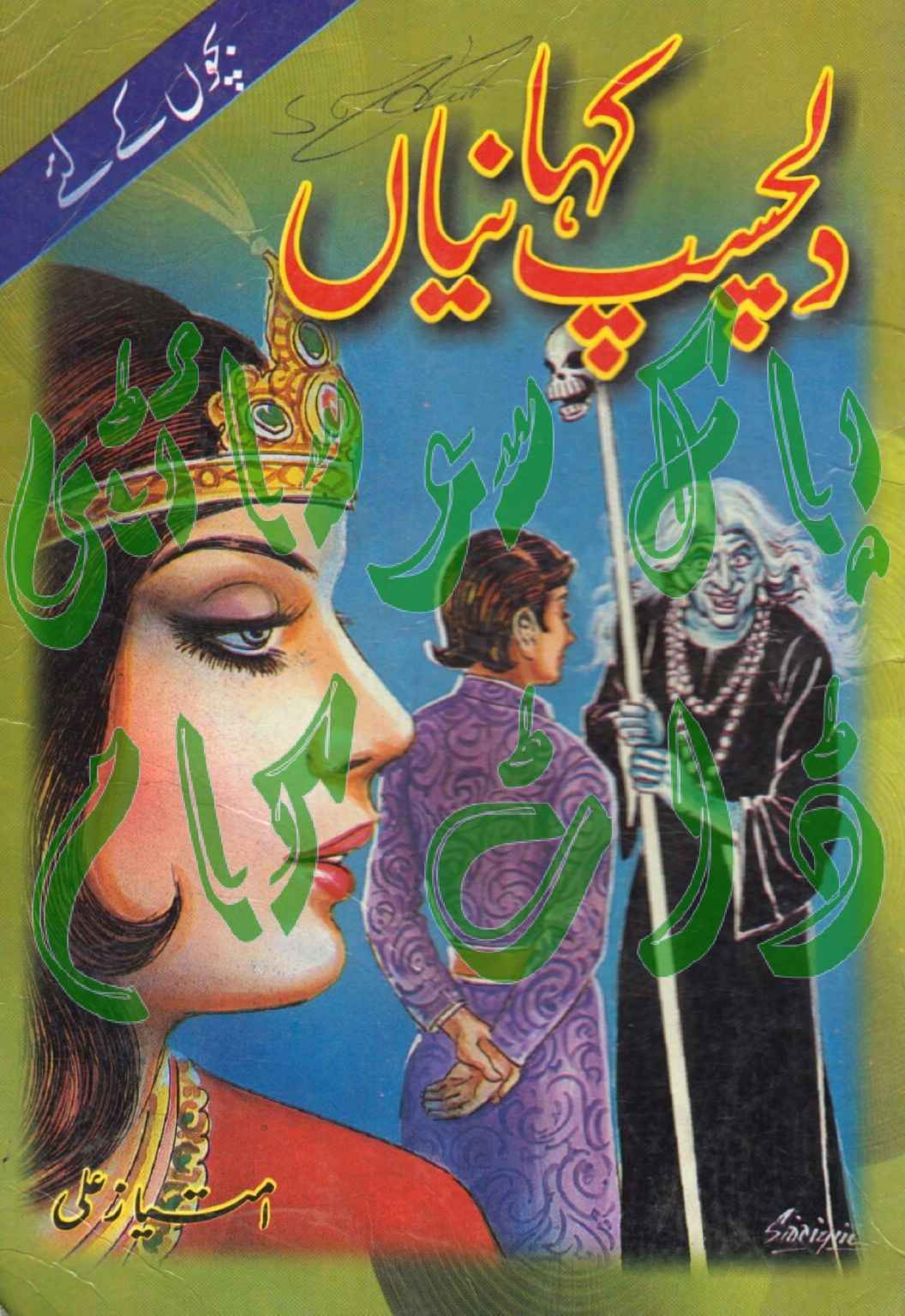

بچوں کے لئے
دلچسپ کہانیاں
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
امتیاز علی

پہلے
سے
پڑھئے

بچوں کے لئے یہ کہانیاں ۸۳۔۱۹۸۲ء میں لکھی گئی تھیں۔
ن دنوں میں بچوں کے مشہور اور کثیر الاشاعت ماہنامے "بچوں کی
ینیا" سے بحیثیت اعزازی ایڈیٹر منسلک تھا اور یہ تمام کہانیاں اسی
وران "بچوں کی دنیا" میں شائع ہوئیں۔
میں برادرم محمد سلیم شرقپوری (مالک و مدیر ماہنامہ بچوں کی
دنیا) کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے پرانے شمارے فراہم کئے اور
میں یہ مجموعہ آپ کے لئے ترتیب دے سکا۔
امید ہے یہ کہانیاں آپ کو پسند آئیں گی۔

امتیاز علی

دسمبر ۱۹۹۱ء

Rs. 15.00

ناشر ———— امتیاز علی
پرنٹرز ———— گنج شکر پرنٹرز لاہور

سٹاکسٹ
صابری دارالکتب
قذافی مارکیٹ
اردو بازار، لاہور
Phone : 320310

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

بچوں کے لئے

کہانیوں کے دیگر مجموعے

اسلامی کہانیاں	امتیاز علی
مزیدار کہانیاں	امتیاز علی
دلچسپ کہانیاں	امتیاز علی
مزاحیہ کہانیاں	امتیاز علی
اخلاقی کہانیاں	احسان حسن ساحر
سبق آموز کہانیاں	اسد بخاری جونیئر

شہزادی افشین



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں ملک روم پر ایک رحمدل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ بادشاہ بڑا انصاف پسند نیک سیرت اور بہادر تھا۔ بادشاہ کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام افشین تھا۔ شہزادی افشین بے حد خوبصورت اور ذہین تھی۔ بادشاہ اور ملکہ اسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ شہزادی افشین کے محل میں ایک بہت بڑا باغ تھا جس میں دور دور سے منگوائے نایاب پودے تھے۔ شہزادی ہر شام کو اپنی کنیزوں کے ساتھ باغ کی سیر کرتی اور رنگ برنگی تتلیوں سے کھیلتی۔

ایک شام کو شہزادی حسب معمول اپنے باغ میں کھیل رہی تھی اور تتلیاں پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ تتلیاں کبھی اس پھول پر جا بیٹھتیں تو کبھی اس پر۔ اتفاق کی بات ہے کہ ملک کوہ قاف کے بادشاہ جن کا پٹو بیٹا تخت پر

بیٹھا آسمان کی سیر کر رہا تھا اس کا تخت جو ایک بڑے اژدھے کی شکل کا تھا چار خوفناک دیو اٹھائے ہوئے تھے۔ پٹو جن کا تخت بادلوں کے اوپر اڑ رہا تھا۔ پٹو جن نے ایک طلسمی عینک لگا رکھی تھی جس کی وجہ سے اسے ہر چیز بالکل صاف نظر آرہی تھی۔ پٹو جن کی نظر جب شہزادی افشین پر پڑی تو وہ اس کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس نے اسی وقت اپنے غلام دیووں کو تخت باغ میں اتارنے کا حکم دیا۔ تخت نیچے آیا تو کنیزیں شور مچاتی بھاگ گئیں۔ شہزادی افشین تو غش کھا کر گر پڑی۔ پٹو جن نے اسے اٹھا کر اپنے تخت پر ڈالا اور بولا "میں اس خوبصورت لڑکی کو اپنی ملکہ بناؤں گا۔ ہاہاہا۔ چلو اب واپس کوہ قاف چلو"۔ دیو یہ سنتے ہی تخت کندھوں پر اٹھائے کوہ قاف کی طرف روانہ ہوگئے۔ ادھر کنیزیں دہائی دیتی ملکہ اور بادشاہ کے پاس پہنچیں اور انہیں بتایا۔ ملکہ تو ہائے میری بچی کہہ کر وہیں گر پڑی اور بے ہوش ہوگئی۔ بادشاہ گھبراہٹ میں ننگے پاؤں باغ کی طرف بھاگا مگر اب وہاں کیا تھا کچھ بھی نہیں۔ شہزادی افشین کو تو پٹو جن اٹھا کر لے گیا تھا۔

پوری سلطنت میں کہرام مچ گیا۔ جس نے سنا آنسو

بہانے لگا۔ بادشاہ نے شاہی نجومی اور وزیر اعظم سے مشورہ
کے بعد اعلان کرادیا کہ جو شخص شہزادی افسین کو کوہ قاف
کے جن کی قید سے آزاد کراکے لائے گا وہی تخت و تاج کا
وارث ہوگا اس اعلان کو سنتے ہی بہت سے منچلے شہزادے اور
نوجوان اپنے گھروں سے نکل پڑے مگر کسی کو بھی کوہ قاف کا
راستہ نہ معلوم تھا ادھر ادھر بھٹک کر ناکام لوٹ آئے۔

ملک روم کے ایک گاؤں میں ایک نوجوان تاجر عثمان
بھی رہتا تھا۔ اس نے جب یہ اعلان سنا تو سوچا قسمت آزمانی
چاہیے۔ شاید خدا میری مدد کرے اور میں شہزادی کو جن کی
قید سے چھڑا لاؤں۔ یہ سوچ کر عثمان نے سامان سفر باندھا اور
گھوڑے پر سوار ہوکر مشرق کی طرف روانہ ہوگیا۔ دوپہر کے
وقت عثمان ایک جنگل میں پہنچا اور ایک گھنے درخت کے نیچے
لیٹ کر ستانے لگا ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ چوں
چوں کی درد بھری آواز نے اسے چونکا دیا۔

اس نے نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہے کہ درخت کی ایک
شاخ پر بیٹھی چڑیا کے گرد ایک خطرناک کالا سانپ لپٹا ہوا ہے
اور اسے ڈسنا ہی چاہتا ہے تاجر عثمان کو چڑیا پر بڑا رحم آیا مگر

سئلہ یہ تھا کہ چڑیا کو بچایا کس طرح جائے جتنی دیر میں وہ
رخت پر چڑھتا سانپ نے چڑیا کو ڈس لینا تھا۔

سوچتے سوچتے عثمان کی ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ اس
نے جلدی سے گھوڑے کی زین سے لٹکتی ڈھال اتاری۔
ھال شیشے کی طرح چمکدار تھی۔ عثمان نے ڈھال کو زمین پر
س طرح رکھا کہ اس کا رخ درخت پر بیٹھے سانپ کی طرف
وگیا۔ کالے سانپ نے جب چمکتی ڈھال میں اپنا عکس دیکھا تو
سمجھا کوئی اور سانپ آگیا ہے۔ وہ بڑے غضب ناک انداز
بں پھن پھیلا کر پھنکارنے لگا۔ تاجر عثمان نے بڑی پھرتی سے
کمان میں تیر جوڑا اور اللہ کا نام لے کر چھوڑ دیا۔ سنسناتا ہوا
نیر سیدھا سانپ کے پھن میں لگا اور سانپ تڑپ کر مرگیا چڑیا
بچ گئی اور پھر سے اڑ کر تاجر کے سامنے آبیٹھی۔ مگر یہ کیا؟
عثمان کی سامنے تو ایک حسین پری مسکرارہی تھی۔ پری نے
کہا۔

"اے آدم زاد! تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم نے میری
جان بچائی میں پریوں کی ملکہ کی خاص کنیز ہوں۔ آج چڑیا بن
کر سیر کو نکل کر اس سانپ کے ہتھے چڑھ گئی اگر تم نہ آتے



تو اس موذی نے مجھے مار ڈالنا تھا"۔

عثمان نے ہنس کر کہا: "اے پری! یہ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ جانوروں پر رحم کھائے اور ان کی مدد کرے" پری خوش ہو کر بولی۔

"تم بہت اچھے انسان ہو۔ بولو میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

عثمان نے کہا "میں روم کی شہزادی افشین کو جن کی قید سے آزاد کرانے کوہ قاف جا رہا ہوں اگر تم مجھے کوہ قاف تک

نچنے کا راستہ بتا سکو بڑی مہربانی ہوگی"۔

پری یہ سن کر سوچ میں پڑ گئی۔ پھر کہنے لگی "یہ تم نے ے مشکل کام کا بیڑا اٹھایا ہے لیکن بہادر لوگوں کے لئے وئی کام مشکل نہیں ہوا کرتا۔ یہ لو یہ آم رکھ لو۔ اور اس گل کے جنوبی حصے میں موجود برگد کے پرانے درخت کے یب پہنچ کر آم کو چیر دینا۔ اس درخت کے نیچے بونوں کی تی ہے وہ آم کھانے کے بے حد شوقین ہیں وہ تم سے آم نگیں گے مگر تم ہرگز نہ دینا اور کہنا اگر بونا بادشاہ میرے ساتھ وہ قاف تک چلے تو میں آم دوں گا۔ آج کل آموں کا موسم یں ہے۔ مجھے یقین ہے بونا بادشاہ تمہاری بات مان لے گا۔ ں کے بعد تمہیں کیا کرنا ہے یہ بونا بادشاہ ہی بتائے گا"

عثمان نے پری کا شکریہ ادا کیا تو اس نے اپنا ایک پر توڑ ر تاجر کو دیا اور کہا۔ "جب بھی تم کسی مشکل میں پھنس جاؤ ں پر کو بالوں میں لگانا میں تمہاری مدد کو پہنچ جاؤں گی اچھا دا حافظ"

پری چلی گئی تو تاجر عثمان اٹھا اور گھوڑے پر بیٹھ کر برگد ے درخت کی طرف چل دیا وہاں پہنچ کر اس نے ہدایت کے

مطابق آم نکالا اور چیرا تو ہر طرف آم کی خوشبو پھیل گئی۔ یہ خوشبو بونوں کی بستی میں پہنچی تو سارے بونے بے قرار ہو گئے اور بونے بادشاہ کے ہمراہ باہر نکل آئے۔

بونے بادشاہ نے للچائی ہوئی نظروں سے آم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے آدم زاد تم کہاں سے یہ آم لے آئے ہمیں بھی کھانے کے لئے آم دو"

عثمان غصہ سے بولا "چلو بھاگو یہاں سے۔ میں تو تمہیں آم کا چھلکا بھی نہیں دوں گا۔ ہاں ایک شرط مان لو تو سارا آم دے سکتا ہوں"۔

بونے بادشاہ نے جلدی سے کہا" شرط بتاؤ" عثمان بولا "تمہیں میرے ساتھ کوہ قاف تک جانا ہوگا۔ اگر راضی ہو تو یہ آم تمہارا ہے" بونے نے جواب دیا "مجھے تو کوہ قاف تک جانے کے راستے کا علم نہیں۔ ہاں یہاں سے چار کوس دور ایک خونخوار جادوگرنی رہتی ہے اسے پتہ ہے مگر وہ تو انسانوں کا خون پی جاتی ہے اور گوشت بھون کر ہڑپ کرجاتی ہے ہڈیاں تک چبا جاتی ہے لیکن ایک بات ہے وہ مارنے سے پہلے ہر انسان سے تین سوال پوچھتی ہے اور جو صحیح جواب دے دے اسے چھوڑ دیتی ہے مگر آج تک کوئی انسان اس کے

سوالوں کے درست جواب نہیں دے سکا۔ صرف میں ان سوالوں کے جواب جانتا ہوں"۔

"پھر تو تمہیں میرے ساتھ ضرور جانا ہوگا۔ ورنہ آم نہیں ملے گا" بونا بادشاہ مان گیا۔ عثمان نے آم بونوں کے حوالے کردیا۔ ساری بستی آم پر ٹوٹ پڑی اور اسے چٹ کرگئی۔ اب عثمان نے بونے بادشاہ کو جو سائز میں، انسانی انگلی کے برابر تھا اٹھا کر جیب میں ڈالا اور آگے چل پڑا۔ جب وہ جادوگرنی کے علاقے میں پہنچے تو جادوگرنی تاجر کو دیکھ کر خوش ہوگئی اور شیطانی قہقہہ لگا کر بولی

"واہ واہ! آج خوب تگڑا شکار ہاتھ آیا ہے اے انسان میں تمہیں پانی میں ابال کر تمہاری یخنی پی جاؤں گی"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

عثمان تو کانپ اٹھا۔ جادوگرنی کی شکل تھی بھی بڑی بھیانک۔ یہ لال لال باہر کو نکلی ہوئی آنکھیں۔ پیلے زرد دانت اور کالا سیاہ رنگ اس کی گود میں ایک مینڈک بیٹھا پھدک رہا تھا۔ جس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جادوگرنی اسے چوہے کھلا رہی تھی۔ جادوگرنی کی بات سن کی عثمان ہمت کرکے بولا۔

"اے جادوگرنی! تم نے تو اعلان کرر کھا ہے کہ جو تمہارے تین سوالوں کا جواب دے دے گا اسے چھوڑ دے گی"

جادوگرنی نے یہ سن کر چیخ ماری اور فرش سے اچھل کر چلائی۔

"تم میرے سوالوں کے جواب دوگے۔ ہاہاہا۔ آج تک

کوئی انسان درست جواب نہیں دے سکا۔ ہاہاہا۔" جادوگرنی کا قہقہہ بڑا بھیانک تھا۔ اس کا محل لرزنے لگا تھا۔ مینڈک اس کی گود سے اچھل کر پرے جاگرا تھا۔ جادوگرنی نے پہلا سوال کیا۔

"بتاؤ دس من وزنی پتھر کو کس طرح پھونکیں مار کر اڑایا جاسکتا ہے؟"

عثمان نے کان کھجانے کی بہانے سر جیب کی طرف جھکایا تو بونے بادشاہ نے اس کے کان میں کہا۔ "جناب پتھر کو پیس کر پاؤڈر بنا کر پھونکوں میں اڑایا جاسکتا ہے"

عثمان نے یہی جواب دہرایا۔ جادوگرنی اچھل کر چنگھاڑی۔

"لو اب دوسرے سوال کا درست جواب دو۔ بتاؤ وہ کونسی دولت ہے جسے کوئی نہیں چرا سکتا" عثمان نے پھر سر جیب کی طرف جھکایا تو بونے بادشاہ نے کہا۔ "جناب وہ دولت علم ہے جسے چرانا ناممکن ہے"

اپنے دوسرے سوال کا جواب بھی درست پاکر جادوگرنی گھبرائی اسے شکار ہاتھ سے نکلتا نظر آنے لگا کیونکہ اگر عثمان

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

تیسرے سوال کا بھی درست دینے میں کامیاب ہوگیا تو
جادوگرنی کو اسے چھوڑنا پڑتا ہے اس نے کہا۔

"اے انسان میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ کون سا جرم ہے جسے کرتے ہوئے اگر انسان پکڑا جائے تو سزا ملتی ہے لیکن اگر کرلے تو سزا نہیں دی جاتی"

عثمان یہ سن کر چکرا گیا مگر بونے بادشاہ نے اسے جواب بتایا۔ عثمان نے کہا۔ "وہ جرم خودکشی ہے"

جادوگرنی نے زور سے دوہتڑ مارا اور چیخی۔ "افسوس! آج ایک انسان نے میرے سوالوں کے جواب دے دیئے۔ افسوس میں اسے بھون کر کھا نہیں سکتی۔ جا چلا جا۔ میں تجھے چھوڑتی ہوں تو آزاد ہے"۔ عثمان نے کہا "اے جادوگرنی! ایک مہربانی کر۔ مجھے کوہ قاف جانے کا راستہ بتادے"۔

"میں اپنے ملک کی شہزادی کو جن کی قید سے آزاد کرانا چاہتا ہوں" جادوگرنی کہنے لگی "میں تمہاری ذہانت سے خوش ہوں لے یہ گیند زمین پر پھینک دے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے چلتا جا۔ یہ گیند تجھے خون کے دریا کے کنارے تک پہنچادے گی اس دریا کے پار کوہ قاف کی حدود شروع ہوجاتی ہیں۔ دریا

کے کنارے ایک چڑیل رہتی ہے وہی دریا کی محافظ ہے اگر تم اسے مارنے میں کامیاب ہوگئے تو دریا پر ایک پل خود بخود بن جائے گا جس پر سے گزر کر تم دوسری طرف جاسکو گے۔
خبردار دریا کے خون میں تیرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ پتھر کے بن جاؤ گے"

عثمان نے گیند زمین پر ڈالی۔ گیند خود بخود بڑھنے لگی اور تاجر عثمان اس کے پیچھے چلنے لگا بونا بادشاہ اس کی جیب میں تھا اور اسے مزے مزے کے لطیفے سنا کر ہنسا رہا تھا

اب ہم شہزادی افشین کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے پیٹو جن نے اسے چاندی کے ایک بہت بڑے پنجرے میں قید کردیا تھا۔ اور اسے مجبور کرتا تھا کہ اس سے شادی کرلے۔ اس وقت بھی پیٹو جن کہہ رہا تھا۔

"اے شہزادی! میری بات مان لے یہاں کوئی تیری مدد کو نہیں آسکتا" شہزادی افشین یہ سن کر رونے لگی پیٹو جن نے اسے روتے دیکھا تو ہاتھ جوڑ کر بولا "روؤ مت پیاری شہزادی۔ میں ابھی تمہارے لئے میٹھی گولیاں منگواتا ہوں"

پیٹو جن نے ایک دیو کو گولیاں لانے کا حکم دیا۔ وہ لے

آیا۔ مگر یہ کیا کھٹی میٹھی گولیاں فٹ بال کے سائز کی تھیں۔ لمبے لمبے بانسوں سے لپٹے ہوئے موٹے "لالی پاپ" تھے اور اینٹ اینٹ جتنے چاکلیٹ تھے۔ پیٹو غصے سے بولا۔ "اے احمق دیو! تم جنوں کے کھانے والی گولیاں اور لالی پاپ لے آئے ہو۔ جاؤ ان کے ٹکڑے کرکے لاؤ۔ انہیں شہزادی نے کھانا ہے"

دیو چلا گیا۔ پیٹو جن نے شہزادی کو رونا بند کرنے کے لئے کہا مگر وہ روتی رہی تو پیٹو جن غصے میں آگیا۔ اور اس زور سے دھاڑا کہ محل کانپ اٹھا۔ اس نے کہا۔ "اے نادان شہزادی! تجھے میری بات ماننا پڑے گی۔ ورنہ۔ ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ میں تجھے تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اچھی طرح سوچ لے۔ یا تو مجھ سے شادی کے لئے راضی ہوجا یا مرنے کے لئے تیار ہوجا"۔ پیٹو جن یہ کہہ کر غصے سے پھنکارتا ہوا چلا گیا اور شہزادی اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگی۔ اسے اپنے ماں باپ یاد آرہے تھے۔ اس نے سن رکھا تھا کہ جو بچے اور بڑے اپنے ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں اور کہنا مانتے ہیں اللہ میاں ان کی مدد فرماتے ہیں۔ شہزادی کو امید

تھی کہ خدا اس کی بھی مدد کرے گا۔

ادھر تاجر عثمان گیند کا تعاقب کرتا ہوا دریا تک پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ دریا میں پانی کی بجائے خون بہہ رہا ہے اور گاڑھا خون۔ اس دریا کے کنارے کالے رنگ کا ایک پرانا محل تھا۔ اس میں وہ خونخوار چڑیل رہتی تھی جو دریا کی محافظ تھی۔

اس چڑیل نے تاجر کی بو سونگھ لی تھی اور آدم بو آدم بو کے نعرے لگاتی بھاگتی چلی آرہی تھی۔ اس چڑیل کے چار ہاتھ اور چار آنکھیں تھیں۔ گلے میں سانپوں کی مالا تھی۔ لمبی سرخ زبان منہ سے باہر لٹک رہی تھی اور دانت چمک رہے تھے عثمان اور بونا بادشاہ ایک درخت کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ ڈراؤنی شکل والی چڑیل چیخیں مارتی ادھر آرہی تھی۔ درخت کے قریب آکر اس نے مکروہ قہقہہ لگایا اور تنے پر زور سے ہاتھ مارا۔ درخت ٹوٹ کر پرے جاگرا۔

عثمان اس کے نیچے آتے آتے بچا۔ اس نے فوراً تلوار نکال لی اور کہا "اے خونخوار چڑیل مرنے کے لئے تیار ہوجا میں تجھے تلوار سے کاٹ ڈالوں گا"

چڑیل دانت نکال کر ہنسنے لگی اس کی خوفناک ہنسی سے
بھونچال سا آگیا۔ درختوں پر بیٹھے پرندے پھڑ پھڑا کر اڑ گئے۔
اس نے گرج کر کہا

"تیری یہ مجال۔ ہش! میں تجھے چٹکیوں میں مسل کر رکھ
دوں گی۔ تیرا خون اس دریا میں بہا کر گوشت کھا جاؤں گی"۔
عثمان نے تلوار سے وار کیا۔ تلوار چڑیل کے بازو پر پڑی
مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اسے زخم تک نہیں آیا۔ اب تو
عثمان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بونا بادشاہ جیب میں کودتا ہوا
بولا "ہائے مارے گئے" چڑیل ہاتھ پھیلا کر عثمان کی طرف
بڑھی۔ اسی وقت عثمان نے جیب سے پری کا دیا ہوا پر نکال کر
بالوں میں لگالیا بس پھر کیا تھا ایک دھماکے کے ساتھ پری
آموجود ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی کمان تھی جس پر
فولادی تیر چڑھا ہوا تھا اس نے آتے ہی تیر چلایا۔ تیر سیدھا
چڑیل کے سینے میں لگا۔ اس نے زور دار چیخ ماری اور زمین پر
گر کر تڑپنے لگی۔ اس کی آنکھیں باہر ابل آئیں اور وہ چیختی
ہوئی مرگئی۔ برے کام کا برا انجام ہوتا یہ چڑیل سینکڑوں
انسانوں کو ہڑپ کر چکی تھی اور آج خود ماری گئی۔ عثمان نے

کہا "اے پری میں کس منہ سے تیرا شکریہ ادا کروں۔ تم نے
مجھے اور بونے بادشاہ کو موت سے بچالیا"۔ پری نے ہنس کر
جواب دیا۔ "جو کوئی نیکی کرتے ہیں اس کا صلہ انہیں ضرور ملتا
ہے تم نے میری جان بچائی تھی آج میں تمہارے کام آگئی۔
اچھا خدا حافظ"۔

پری چلی گئی۔ خون کے دریا پر اب ایک پل بن چکا تھا۔
عثمان اس پل سے گزر کر کوہ قاف میں داخل ہوگیا کوہ قاف
کی سرزمین پر قدم رکھنا تھا کہ نہ جانے کدھر سے آوازیں
آنے لگیں "اے نوجوان بھاگ جا ورنہ مار ڈالیں گے یہ
جنوں کی بستی ہے یہاں انسان کا کیا کام۔ بھاگ جا بھاگ
جا"۔ پہلے تو عثمان یہ آوازیں سن کر گھبرا گیا۔ پھر حوصلہ کر کے
آگے بڑھا۔ تلوار اس نے دونوں ہاتھوں میں تھام رکھی تھی
کچھ دیر تک آوازیں آتی رہیں پھر بند ہوگئیں۔ اسی وقت
سامنے والے پہاڑ سے ایک بہت بڑا پرندہ نمودار ہوا۔ یہ کوہ
قاف کا خونی پرندہ تھا جس کا نام "اڑن ہاتھی" تھا اس کا جسم
تین ہاتھیوں کے برابر تھا۔ رنگ سیاہ تھا اور چار ٹانگیں تھیں
اس کی کمر پر دو بڑے بڑے دو پر تھے

اور منہ کے آگے سونڈ کی بجائے ایک لمبی نوکیلی چونچ تھی۔ اس نئی آفت کو دیکھ کر عثمان نے تلوار سونت لی۔ اڑن ہاتھی بڑی تیزی کے ساتھ اس کی سر پر آپہنچا اس نے اپنی غار ایسی چونچ کھولی اور بڑی پھرتی سے جھک کر عثمان کو نگل لیا۔ عثمان کو لگا جیسے وہ کسی گدیلی سڑک پر پھسل رہا ہے وہ پھسلتا ہوا ایک اندھیرے کمرے میں جاگرا یہ اس اڑان ہاتھی کا معدہ تھا۔ عثمان معدے میں کھڑا ہوگیا۔ اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا اور سانس لینے میں بھی دقت ہورہی تھی مگر پھر یہ مشکل حل ہوگئی۔ اڑن ہاتھی نے اپنی چونچ کھول دی تھی۔ روشنی اور ہوا اندر آنے لگی تھی۔ بونے بادشاہ نے کہا: باپ رے یہ خوفناک پرندہ میرے باپ نہیں دادا بلکہ پردادا نے بھی نہیں دیکھا ہوگا"

عثمان نے کہا

"اب اس جگہ سے نکلیں کیسے؟ کچھ دیر یہاں رہے تو اس پرندے کے معدے کے تیزاب ہمیں ہضم کرلیں گے۔ میرا خیال ہے تلوار کے ذریعے سوراخ کرکے باہر نکلنا چاہیے"

عثمان نے خدا کا نام لیا اور تلوار سے بھرپور وار کیا۔ اڑن ہاتھی کا گوشت اس طرح کٹا جیسے صابن ہو۔ وہ چیخیں مارتا ہوا اپنی ٹانگوں پر گھومنے لگا۔ ایسا کرنے سے معدے میں گویا زلزلہ آگیا اور عثمان اڑن ہاتھی کے پیٹ میں قلابازیاں کھانے لگا مگر سنبھل کر وہ تلوار چلاتا رہا۔

اڑن ہاتھی کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔ اس نے عثمان کو باہر اگل دیا عثمان دھڑام سے باہر زمین پر گر پڑا۔ گرتے ہی وہ اٹھا اور تلوار سونتی۔ اسی وقت اڑن ہاتھی نے کراہتے ہوئے انسانی آواز میں کہا "اے آدم زاد مجھے مارنا نہیں۔ تم جو کہو گے میں وہی کروں گا" اڑن ہاتھی کو بولتے دیکھ کر عثمان حیران رہ گیا۔ کوہ قاف بڑی عجیب دنیا ہے۔ وہاں ایسی ایسی مخلوق پائی جاتی ہے کہ عقل ماننے سے انکار کردیتی ہے۔ عثمان نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں ہلاک نہیں کرتا۔ تمہیں جنوں کے خلاف میری مدد کرنا ہوگی۔ وہ ہمارے ملک کی شہزادی کو اٹھالائے ہیں" اڑن ہاتھی نے کہا "مجھے منظور ہے میں یہاں کے اڑن ہاتھیوں کا سردار ہوں۔ ہماری تعداد پچاس ہے جب

بھی تم مغرب کی طرف منہ کرکے مجھے آواز دو گے میں اپنے ساتھیوں سمیت تمہاری مدد کے لئے آجاؤں گا"

عثمان آگے بڑھ گیا۔ ایک دن اور ایک رات مسلسل سفر کے بعد وہ پیٹو جن کے محل کے پاس پہنچ گیا جہاں شہزادی افشین قید تھی۔ پیٹو جن کو جب خبر ملی کہ ایک انسان شہزادی کو رہا کرانے آیا ہے تو وہ قہقہے لگانے لگا اور اپنے محل کی چھت پر آکر بولا۔

"اے آدم زاد تو ہم سے ٹکر لینے آیا ہے۔ اپنا قد دیکھ اپنی طاقت دیکھ۔ جا چلا جا میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں" عثمان نے بڑی جرات سے کہا۔

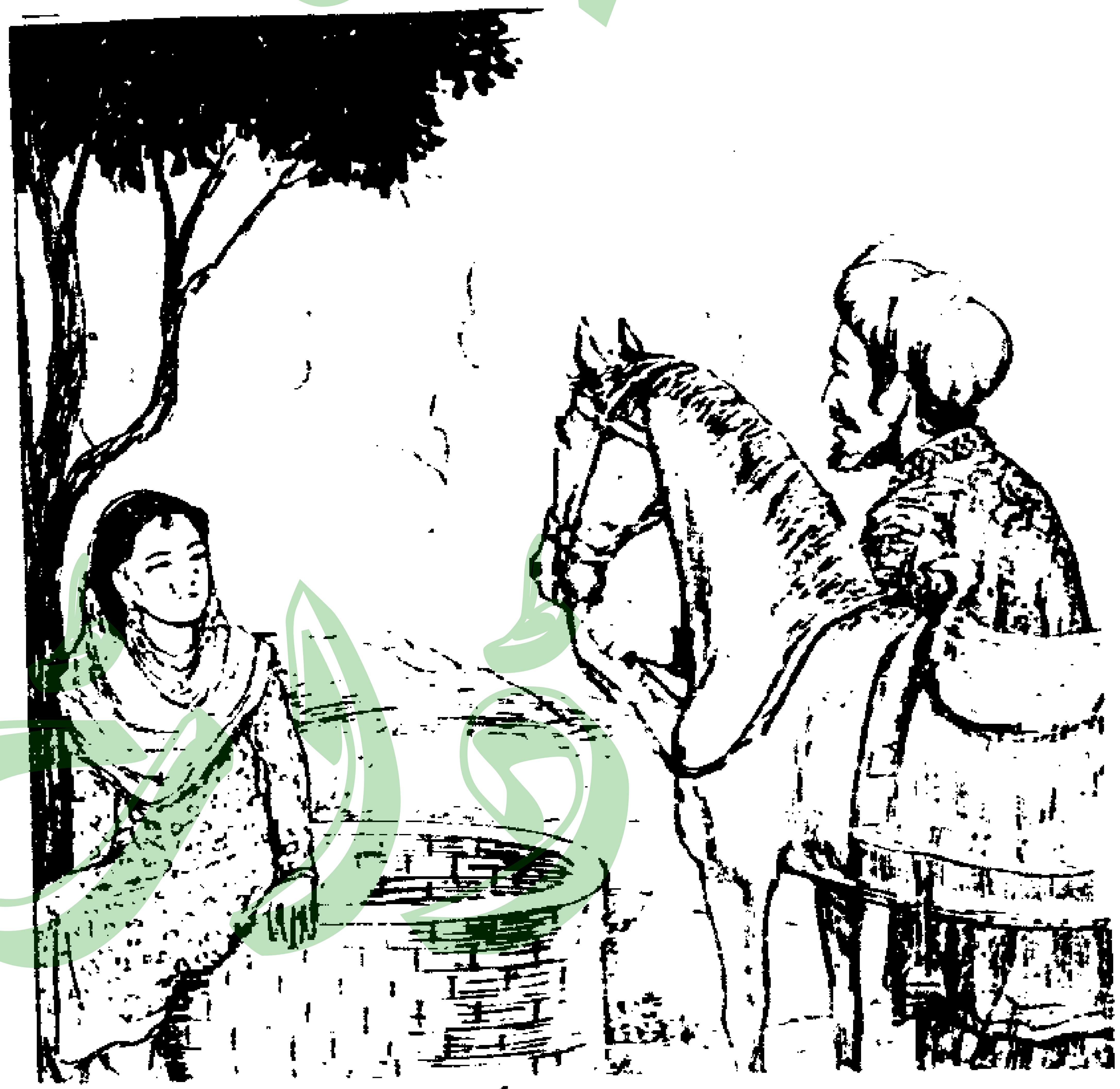
"او بدبخت جن غرور نہ کر! کبھی کبھی چیونٹی بھی ہاتھی کو مار ڈالتی ہے اپنی خیریت چاہتا ہے تو شہزادی کو آزاد کردے"

پیٹو جن تو غصہ میں آکر پھنکارنے لگا اس نے اپنے غلام دیوؤں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ عثمان نے اسی وقت مغرب کی طرف منہ کرکے پوری طاقت سے کہا "اے اڑن ہاتھیو! میری مدد کے لئے آؤ"۔ فوراً اڑن ہاتھیوں کے جتھے آسمان پر نمودار ہوئے۔ ہر طرف اندھیرا سا چھا گیا۔ اڑن ہاتھیوں نے اپنی

چونچوں میں کئی کئی من کے پتھر دبوچ رکھے تھے۔ انہوں نے اڑتے ہوئے یہ پتھر دیوؤں پر پھینکنا شروع کردئے ایک دیو کی چمکتی ٹنڈ پر پتھر پڑا تو وہ تربوز کی طرح پھٹ گئی اور دیو مر گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان دیوؤں کی لاشوں سے بھر گیا۔ عثمان محل میں گھس گیا۔ پیٹو جن کئی گز لمبی تلوار تھامے اس کے سامنے آگیا۔ مقابلہ شروع ہوگیا۔ پیٹو جن بڑا ماہر تلوار باز تھا۔ عثمان ڈٹ کر اس کا مقابلہ کررہا تھا۔ مگر پیٹو جن ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔ بونے بادشاہ نے یہ دیکھا تو عثمان کی جیب سے جادوگرنی والا گیند نکال کر پورے زور سے پیٹو کے منہ پر مارا گیند پھٹ گیا اور اس سے کالا دھواں نکلا۔ پیٹو جن بیہوش ہوگیا۔ عثمان نے لپک کر اس کا سر کاٹ لیا۔ پیٹو جن تڑپتا ہوا ختم ہوگیا۔ شہزادی افشین کو چاندی کے پنجرے سے نکال کر عثمان واپس چل دیا اور منزلوں پر منزلیں طے کرتا ملک روم پہنچ گیا۔ بادشاہ اور ملکہ نے جب اپنی بیٹی کو زندہ سلامت دیکھا تو خوشی سے نہال ہوگئے عثمان اور شہزادی افشین کی شادی ہوگئی بادشاہ نے تخت و تاج بھی عثمان کے حوالے کیا

عثمان نے کئی سال تک بڑے عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کی۔

ناگن ملکہ



ننھے دوستو! عرصہ ہوا ملک فارس پر ایک بادشاہ حکومت کرتا ہے وہ بڑا رحمدل اور انصاف پسند تھا اس کا بیٹا شہزادہ رحمان بھی اپنے باپ کی طرح دلیر تھا۔ بادشاہ کو شکار کا بہت شوق تھا وہ اکثر گھنے جنگلوں میں شکار کھیلنے جاتا۔

ایک دفعہ گرمی کا موسم تھا بادشاہ کا دل شکار کھیلنے کو چاہا۔ حکم کی دیر تھی تمام انتظامات ہو گئے اور بادشاہ شکار کے لئے چل پڑا سارا دن بادشاہ شکار میں مصروف رہا کئی شیر' چیتے اور بارہ سنگھے شکار کئے شام ہوئی تو یہ شکاری قافلہ واپسی کے لئے چل دیا۔ ابھی آدھا سفر بھی نہ طے کیا تھا کہ بادشاہ کو ایک نہایت خوبصورت ہرن نظر آیا بادشاہ نے فوراً کمان میں تیر جوڑا اور نشانہ لے کر چھوڑ دیا۔

ادھر کمان سے تیر نکلا ادھر ہرن چوکڑیاں بھرتا بھاگ کھڑا ہوا نشانہ خطا ہو گیا تو بادشاہ غصے میں آگیا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہرن کے تعاقب میں چل دیا۔ محافظ اور وزیر غیرہ بھی پیچھے لپکے مگر بادشاہ تیز رفتاری سے گھوڑا دوڑاتا ان

کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ بادشاہ نے کئی بار ہرن کا نشانہ لے کر تیر چلائے لیکن ہرن کو ایک بھی نہ لگا اور ہرن جھاڑیوں میں غائب ہوگیا۔

رات کا اندھیرا جنگل میں اترنے لگا تھا۔ ہرن کے بچ نکلنے پر بادشاہ کو غصہ تو بہت آیا لیکن کیا کرسکتا تھا۔ اندھیرا بڑھتا جارہا تھا اس لئے اس نے واپس جانا ہی مناسب سمجھا۔

بادشاہ نے گھوڑے کی باگ موڑی اور ایڑ لگانے ہی والا تھا کہ رات کی خاموشی کو چیرتی کسی کے رونے کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ بادشاہ چونک اٹھا۔ آواز کسی عورت کی تھی اس ویران اور بھیانک جنگل میں عورت کہاں سے آگئی۔ پہلے تو بادشاہ یہ سوچ کر گھبرا گیا کہ کوئی بھتنی یا چڑیل تو نہیں ہے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ ممکن ہے کوئی مظلوم عورت ہو۔

رونے کی آواز قریب سے آرہی تھی۔ بادشاہ گھوڑے سے اتر آیا اور لگام تھام کر اس طرف بڑھا

درختوں کے جھنڈ میں ایک پرانا کنواں تھا جس کی منڈیر پر ایک نہایت ہی خوبصورت عورت بیٹھی رو رہی تھی اس کا

رنگ دودھ ایسا سفید اور بال سنہری تھے اس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے بادشاہ نے نزدیک جاکر بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔

اے خاتون تو کون ہے اور اس ویران جنگل میں بیٹھی کیوں رو رہی ہے میں اس ملک کا بادشاہ ہوں مجھے بتلاؤ کس نے تم پر ظلم کیا ہے۔

عورت نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ "اے بادشاہ میرا نام نگینہ ہے میں پڑوسی ملک کی رہنے والی ہوں۔ میرا باپ مرگیا تو چچا نے ساری جائیداد پر قبضہ کرلیا اور مجھے جنگل میں خونخوار جانوروں کا لقمہ بننے کے لئے چھوڑ گیا ہے"۔

یہ کہہ کر عورت زور زور سے رونے لگی۔ بادشاہ کو اس پر رحم آیا۔ بادشاہ نے اسے اپنی ملکہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کی پہلی ملکہ تو کئی سال ہوئے فوت ہوچکی تھی۔ بادشاہ نے نگینہ کو گھوڑے پر بٹھایا اور واپس چل دیا۔ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اس کے وزیر اور محافظ مل گئے جو اسے ڈھونڈتے پھر رہے تھے بادشاہ ان کے ساتھ واپس محل میں لوٹ آیا

اگلے دن بادشاہ نے نگینہ سے شادی کرلی اور وہ ملکہ نگینہ

بن گئی گھر گھر خالص گھی کے چراغ جلنے لگے ہر طرف نوبتیں اور نقارے بجتے رہے ہر اعلیٰ و ادنیٰ خوشیاں منا رہا تھا کئی دن تک بادشاہ کی شادی کی خوشی میں جشن منایا جاتا رہا۔ شہزادے رحمان کو بھی بہت خوشی ہوئی تھی۔

وقت اسی طرح گزرتا چلا گیا مگر نئی ملکہ آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد بادشاہ کی طبیعت خراب رہنے لگی وہ دن بدن کمزور ہوتا جاتا رہا تھا۔ شہزادہ رحمان، وزیر اعظم اور دوسرے درباری بڑے پریشان ہوئے ملک کے بڑے بڑے مشہور حکیموں نے علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا حتیٰ کہ بادشاہ بیمار ہو کر چارپائی سے لگ گیا اس نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا تھا اب تو شہزادہ رحمان بوکھلا اٹھا کہ کیا کرے دور دور کے ممالک سے حکیم منگوائے گئے لیکن بیماری کا علاج تو ایک طرف رہا یہی نہ پتہ چل سکا کہ مرض کیا ہے

بادشاہ کا رنگ زرد پڑ چکا تھا اور آنکھوں کے نیچے کالے نشان بن گئے تھے شہزادہ رحمان نے فیصلہ کیا کہ ملک کے سب سے بڑے نجومی کے پاس جانا چاہیے تاکہ پتہ چل سکے کہ بات کیا ہے یہ نجومی شہر سے دور ایک پہاڑی غار میں رہتا تھا

شہزادہ رحمان اس کے پاس پہنچا تو نجومی نے حساب لگا کر کہا

"اے شہزادے بادشاہ سلامت کی بیماری کی وجہ ملکہ ہے"

"کیا" شہزادہ اچھل پڑا اور بولا یہ کس طرح ہو سکتا ہے نجومی بابا میں تمہاری بات سمجھا نہیں

نجومی نے کہا "اے قابل احترام شہزادے! میرا حساب بتاتا ہے کہ ملکہ اصل میں انسان نہیں ہے بلکہ ناگن ہے۔ انتہائی خطرناک اور زہریلی ناگن۔ سنو جب کوئی سانپ پانچ سو سال کا ہو جاتا ہے اور ان پانچ سو سالوں میں کسی انسان کی نظر اس پر نہ پڑی ہو تو اسے یہ طاقت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ جب چاہے انسان یا کسی بھی جانور کا روپ دھار سکتا ہے ملکہ بھی ایک ایسی ہی ناگن ہے جسے روپ بدلنے کی طاقت مل چکی ہے اور اب وہ بادشاہ کے جسم میں اپنا تھوڑا تھوڑا زہر داخل کر رہی ہے"

شہزادے رحمان نے پریشان ہو کر پوچھا "نجومی بابا! اگر تم صحیح کہہ رہے ہو تو ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر ناگن کو بادشاہ سلامت سے کیا دشمنی ہے جو وہ انہیں مار ڈالنا چاہتی

ہے"۔

نجومی نے دوبارہ زائچہ بنایا اور کہا "شہزادے حضور آ سے دس سال قبل بادشاہ سلامت نے جنگل میں ایک کا ناگ کو ہلاک کردیا تھا وہ کالا ناگ اس ناگن کا بھائی تھا اور ا یہ انتقام لے رہی ہے ناگن اگر چاہے تو ایک ہی بار ڈس کر بادشاہ سلامت کو ہلاک کر ڈالے مگر وہ اپنا زہر تھوڑا تھوڑ بادشاہ کے جسم میں داخل کر رہی ہے تاکہ وہ سسک سسک کر مرے"۔

شہزادے نے یہ سنا تو غصے سے کانپنے لگا میان سے تلوار نکال کر لہرائی اور گرجا "میں اس بدبخت ناگن کو ابھی جاکر ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا"۔

نجومی نے فوراً کہا "نہیں شہزادہ حضور! ایسا کرنا مناسب نہ ہوگا وہ بڑی چالاک ناگن ہے اگر آپ کا وار خالی گیا تو وہ آپ کو ہرگز نہ چھوڑے گی اور ڈس لے گی"۔

"اچھا پھر مجھے کیا کرنا چاہیے" شہزادے نے کہا۔

نجومی بولا "ناگن کو تم صرف اسی وقت ہلاک کرسکتے ہو جب وہ ناگن کے روپ میں ہو تمہارا تیر سیدھا اس کے پھن

میں جاکر لگنا چاہیے یاد رکھو اگر تمہارا نشانہ خطا ہوگیا تو تم ناگن کے غصے سے نہ بچ سکو گے وہ تمہیں ڈس کر ہلاک کردے گی"۔

شہزادے نے سوال کیا "لیکن اے نجومی بابا! میں ملکہ کو انسان سے ناگن کے روپ میں آنے پر کس طرح مجبور کرسکتا ہوں"

نجومی نے مسکرا کر کہا "اس کا حل بھی میرے پاس ہے میں تمہیں ایک خاص دوائی کی پڑیا دیتا ہوں تم آج رات کھانا کھاتے وقت ہوشیاری سے وہ دوا پانی میں حل کرکے ملکہ کو پلادینا اور بادشاہ کی خوابگاہ میں موجود پانی کی صراحی کو خالی کردینا اور خوابگاہ کے دروازے پر تالا لگادینا اس دوائی کے اثر سے آدھی رات کے وقت ملکہ کو شدید پیاس لگنے لگی اور پھر جو ہوگا وہ تم خود ہی دیکھ لو گے مگر ایک بات دھیان سے سن لو۔ یہ کام بڑی ہوشیاری سے کرنا ہوگا ملکہ کو ذرا برابر بھی شک نہیں ہونا چاہیے"۔

شہزادے نے نجومی سے دوائی کی پڑیا لے لی اور کہا "نجومی بابا جیسا تم نے کہا ہے میں ویسا ہی کروں گا"۔ یہ کہہ

کر شہزادہ واپس محل میں آگیا۔ رات ہوئی اور کھانے کا وقت آیا تو شہزادے نے بڑی ہوشیاری سے دوائی ملکہ کے پانی کے گلاس میں ڈال دی ملکہ کو پتہ ہی نہ چل سکا اور وہ پانی پی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی شہزادہ اٹھ کھڑا ہوا ملکہ نے حیرانگی سے کہا "کیا بات ہے شہزادے آج تم نے بہت کم کھانا کھایا ہے تمہاری طبعیت تو ٹھیک ہے؟؟"

"جی ہاں! بس آج بھوک کچھ کم تھی آپ اطمینان سے کھائیے" شہزادے نے مسکراتے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل آیا باہر آتے ہی وہ تیزی سے دوڑتا ہوا بادشاہ کی خوابگاہ پہنچا اور صراحی کا پانی بہا دیا۔

اس کام سے فارغ ہوکر شہزادہ خوابگاہ کے سامنے والے کمرے میں چھپ گیا۔ کچھ دیر بعد ہی بادشاہ اور ملکہ خوابگاہ میں چلے گئے۔ شہزادے نے فوراً نجومی کی ہدایت کے مطابق باہر تالا لگا دیا اور خود تیر کمان لے کر روشن دان میں بیٹھ گیا بادشاہ اور ملکہ مسہری پر پڑے سو رہے تھے رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی تو یکایک ملکہ کو زوردار پیاس لگی۔ وہ اٹھی اور صراحی سے پانی لینا چاہا مگر صراحی تو شہزادے نے پہلے

ہی خالی کر دی تھی۔ ملکہ نے دروازہ کھول کر باہر نکلنا چاہا لیکن دروازہ تو بند تھا شہزادہ رحمان روشندان میں چھپا بیٹھا یہ سب منظر دیکھ رہا تھا۔

دوائی کے اثر سے ملکہ کو ایسی زبردست پیاس لگی کہ اس کا منہ کھل گیا اسے یوں لگا جیسے حلق میں کانٹوں کا جنگل اگ آیا ہو ملکہ پریشان ہوگئی کہ کہاں سے پانی حاصل کرکے پیاس بجھائے خوابگاہ سے ایک چھوٹی سی نالی باہر کو جاتی تھی یہ خالی نالی گندے پانی کے نکاس کے لئے بنائی گئی تھی ملکہ نے فیصلہ کیا کہ ناگن بن کر نالی کے راستے باہر جاکر پانی پینا چاہیے

وہ دبے قدموں بادشاہ کی پاس آئی' بادشاہ تو سارے گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا ملکہ کو جب یہ اطمینان ہوگیا کہ بادشاہ بے خبر سویا پڑا ہے تو اس نے زمین پر ایک لوٹ لگائی اور اگلے ہی لمحے فرش پر ملکہ کی جگہ ایک سیاہ ناگن موجود تھی شہزادے نے جب یہ منظر دیکھا تو کانپ اٹھا نجومی بابا نے سچ ہی کہا تھا ناگن کی سیاہ کھال چمک رہی تھی وہ بل کھاتی لہراتی نالی کے راستے باہر نکل گئی شہزادے کو وقت ہی نہ مل سکا کہ تیر چلا سکے

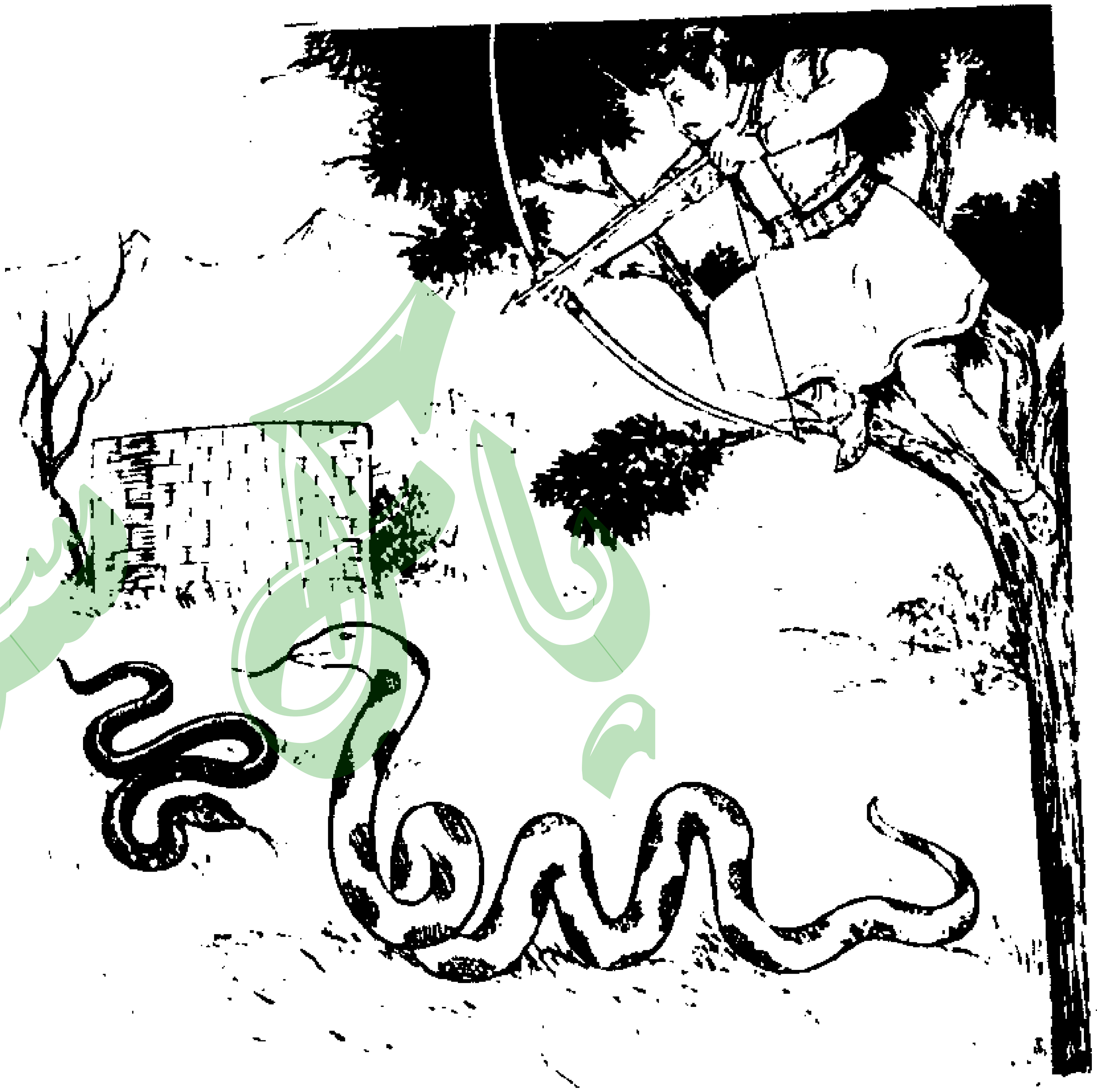
شہزادہ جلدی سے روشن دان سے اترا اور گھوم کر باغ میں پہنچ گیا اسے یقین تھا کہ ناگن ملکہ باغ کے تالاب میں پانی پینے گئی ہے چاندنی رات تھی۔ چاند کی زرد روشنی میں سبزہ بڑا بھلا معلوم ہورہا تھا شہزادے کا خیال بالکل درست تھا ملکہ واقعی تالاب سے پانی پی رہی تھی پانی پینے کے بعد اس نے پھن پھیلا کر ایک زور دار پھنکار ماری۔ شہزادہ ایسی جگہ چھپا کھڑا تھا کہ ملکہ کے پھن کا نشانہ نہیں لے سکتا تھا ناگن ملکہ کچھ دیر کو گھاس پر لہراتی رہی پھر ایک طرف چل پڑی اس کا رخ خوابگاہ کی طرف نہیں تھا بلکہ وہ محل سے باہر والے راستے پر جارہی تھی شہزادہ رحمان اس کی پیچھے پیچھے تھا

محل سے نکل کر ملکہ اس راستے پر ہولی جو جنگل کو جاتا ہے۔ شہزادہ رحمان بڑی ہوشیاری سے اس کا پیچھا کررہا تھا یہ بھی خدا کا شکر تھا کہ چاندنی رات تھی ورنہ اندھیرے میں ناگن کب آتی؟ ناگن ملکہ گھنے جنگل میں پہنچ گئی اور ایک غار کے باہر رک کر اس نے زور دار پھنکار ماری۔ اس کی پھنکار کے جواب میں غار کے اندر ایک دوسرے ناگ کی خوفناک پھنکار سنائی دی اف خدایا! کیسی بھیانک پھنکار تھی وہ جیسے

ایک وقت کئی دیگیں چولہے پر چڑھی سنسنا رہی ہوں۔ پھنکار کے ساتھ ہی جھاڑیوں اور سرکنڈوں کے ٹوٹنے کی آوازیں آئیں اور پھر۔ پھر ایک نہایت ہی بڑا اژدھا نماناگ غار سے باہر نکل آیا ناگ کے سیاہ جسم پر سنہرے رنگ کا تاج تھا جس سے تیز شعاعیں نکل رہی تھیں

یہ جنگل کا شیش ناگ تھا جو ناگن کے سامنے آکر پھن پھیلا کر کھڑا ہوگیا۔ ناگن سرمستی کے عالم میں جھوم رہی تھی شیش ناگ کی آنکھیں شعلوں کی مانند دہک رہی تھیں اور دو شاخی زبان بجلی کی طرح لپلپا رہی تھی۔ دونوں ناگ کچھ دیر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر ناگن شیش ناگ سے لپٹ گئی اور وہ دونوں ناچنے لگے۔

شہزادہ رحمان اس دوران ایک درخت پر چڑھ چکا تھا وہ انتہائی حیرتناک اور خوفناک منظر دیکھ رہا تھا تیر کمان اس کے ہاتھ میں موجود تھا اور وہ مناسب موقع کی تلاش میں تھا کچھ دیر تک ناگن اور ناگ ناچتے رہے پھر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے شیش ناگ اپنے غار میں واپس چلا گیا اور ناگن واپسی کے لئے مڑی یہی وہ لمحہ تھا جس کا شہزادے رحمان کو



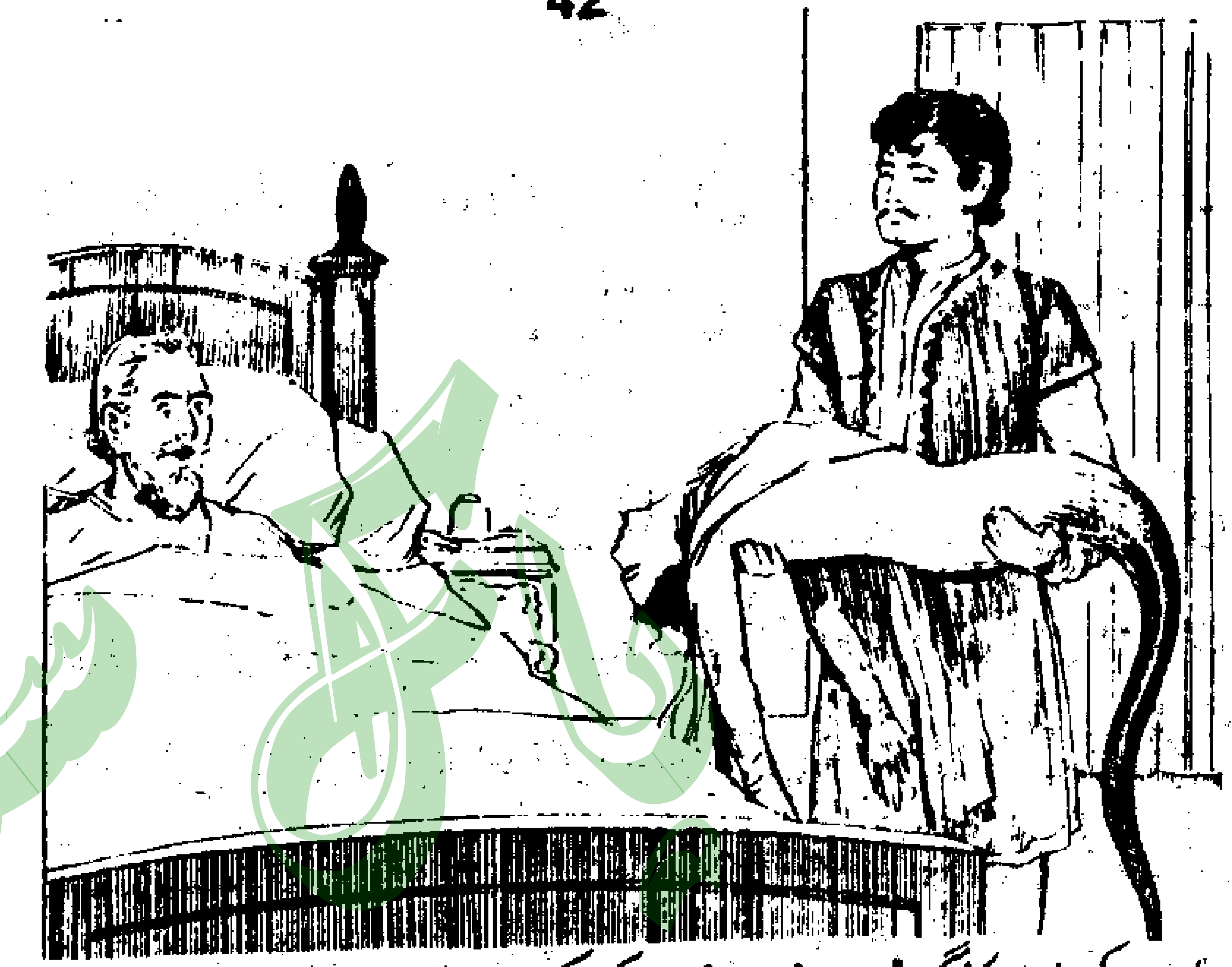
انتظار تھا۔

ناگن کا پھیلا ہوا غلیظ چپٹا سر اس کی آنکھوں کے عین سامنے تھا شہزادے نے خدا کا نام لیا اور تیر چھوڑ دیا۔ ہوا کو چیرتا، سنسناتا ہوا تیر ناگن کے پھن کے آر پار ہو گیا ناگن کا اٹھا ہوا سر جھٹکے سے پیچھے کی طرف جا گرا۔ وہ بڑے درد بھرے انداز میں پھنکاری اور بل کھانے لگی۔ بل کھاتے ہوئے ناگن نے انسانی روپ میں آنے کی کوشش کی لیکن

ابھی اس کا اوپر کا آدھا دھڑ ہی انسانی شکل میں آیا تھا کہ اس کی جان نکل گئی ناگن کی پھنکاریں سن کر شیش ناگ بڑے غضب ناک انداز میں پھنکارتا غار سے نکلا۔

اس کے منہ سے شعلے نکل رہے تھے جو آس پاس کی جھاڑیوں کو جلا کر خاک کر دیتے تھے شہزادہ رحمان اس دوران کمان میں نیا تیر لگا چکا تھا اس نے شیش ناگ کی دائیں آنکھ کا نشانہ لے کر تیر چھوڑ دیا تیر نشانے پر بیٹھا ناگ بری طرح بل کھا کر تڑپا شہزادے نے جھٹ دوسرا تیر چھوڑا اور ناگ کی بائیں آنکھ بھی ختم ہو گئی۔ شیش ناگ اندھا ہو چکا تھا۔ اسے اب کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ پھنکاریں مارتا اپنا سر بار بار درختوں اور پتھروں پر پٹخ رہا تھا۔ شہزادے نے پے در پے تیر چلا کر ناگ کو ہلاک کر دیا اور درخت سے نیچے اتر آیا۔

آدھی انسان اور آدھی ناگن ملکہ مری پڑی تھی۔ شہزادے نے غار میں جا کر دیکھا کہ کہیں کوئی اور سانپ تو نہیں ہے مگر وہاں تو انسانی کھوپڑیوں اور ہڈیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ یہ ان بدنصیب مسافروں کی ہڈیاں تھیں جو راستہ بھٹک کر شیش ناگ کے غار کی طرف آ نکلے تھے اور ناگ نے انہیں



ڈس کر ان کا گوشت نوچ نوچ کر کھا لیا تھا۔

باہر آ کر شہزادے نے مرے ہوئے شیش ناگ کا پھن خنجر سے چیر کر من باہر نکال لیا۔ سانپ کا من ایک بڑے ہیرے کی مانند چمکدار ہوتا ہے اس میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ یہ زہر کو چوس لیتا ہے۔ شیش ناگ کے من کو جیب میں ڈال کر شہزادے نے مری ہوئی ناگن ملکہ کو اٹھایا اور محل کی طرف چل دیا۔ جس وقت وہ محل پہنچا رات کی تاریکی چھٹنے لگی تھی۔ محل کے محافظوں نے جب شہزادے رحمان کو ملکہ کی لاش اٹھائے دیکھا تو دنگ رہ گئے اور اس وقت تو ان کی چیخیں نکل گئیں جب انہوں نے دیکھا کہ ملکہ کا آدھا دھڑ

ان کا اور آدھا ناگن کا ہے۔

شہزادہ رحمان، بادشاہ کی خواب گاہ پہنچا۔ بادشاہ بے خبر پڑا رہا تھا۔ شہزادے نے اسے بیدار کیا اور ساری کہانی سنا ۔ دہشت کے مارے ایک بار تو بادشاہ لرز اٹھا۔ اس خیال ہی اس پر کپکپی طاری کر دی تھی کہ وہ ایک خطرناک ن کو اپنی ملکہ بنائے ہوئے تھا۔ اس نے ایک ناگن سے دی کر رکھی تھی۔ اور یہی اس کی بیماری کی وجہ تھی۔ یہ ن ملکہ کا زہر ہی تھا جس نے بادشاہ کو بیمار کر رکھا تھا کیونکہ اپنے ناگ بھائی کا بادشاہ سے انتقام لے رہی تھی۔

بادشاہ نے شہزادے رحمان کو گلے سے لگا لیا اور کہا "بیٹا نے اپنی جان پر کھیل کر اس خبیث ناگن کو ہلاک کر کے ے نئی زندگی دی ہے"۔

شہزادے نے سر جھکا کر کہا "ابا حضور! یہ تو میرا فرض ۔ اچھے بچے وہ ہوتے ہیں جو اپنے ماں باپ کی خدمت تے ہیں اور ان کا ہر حکم مانتے ہیں"۔

یہ کہہ کر شہزادے رحمان نے شیش ناگ کے من جیب ے نکالا اور بادشاہ کے منہ سے لگا دیا۔ من نے فوراً ناگن کا

زہر چوس لیا اور بادشاہ بھلا چنگا ہو گیا۔ اسی وقت ناگن ملکہ
جسم چڑچڑ کر کے جلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں راکھ
چھوٹے سے ڈھیر کے سوا کچھ نہ بچا۔

شاہ فارس نے تخت و تاج اپنے بیٹے رحمان کے سپرد
اور خود یادِ الٰہی میں مصروف ہو گیا۔

☆===☆===☆

انوکھا درخت



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

بہت مدت گزری۔ ملک شام پر ایک بادشاہ حکومت کر
تھا۔ بادشاہ بڑا رحمدل اور انصاف پسند تھا یہی وجہ تھی کہ رعا
اس سے خوش تھی۔ بادشاہ کو رنگ برنگے درخت اور پھولوا
کے پودے اکٹھے کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس نے اپنے محل
کے ساتھ ایک بہت بڑا باغ بنوا رکھا تھا۔ جس میں دور دو
کے ممالک سے منگوائے درخت اور پودے موجود تھے۔ بادشا
روزانہ باغ کی سیر کرتا اور خوش ہوتا۔

ایک رات بادشاہ سو رہا تھا کہ اس نے عجیب خواب
دیکھا کہ آسمان سے چار خوبصورت پریاں اتریں اور زمین پ
ٹہلنے لگیں۔ پھر ایک پری نے دونوں ہاتھ ہوا میں لہرائے او
درخت کا تنا بن گیا۔ یہ تنا سونے کا تھا۔ اب دوسری پری نے
ہاتھ لہرائے اور وہ درخت کی شاخیں بن گئی۔ یہ شاخیں
چاندی کی تھیں۔ تیسری پری نے بھی ایسا ہی کیا اور پتوں کی
شکل اختیار کر گئی۔ پتے ہیرے جواہرات کے تھے۔ تینوں
پریوں کی جگہ اب ایک انتہائی خوبصورت درخت کھڑا تھا۔
جس کے ہیرے کے پتے آپس میں ٹکراتے تو بڑی دلکش آوا
پیدا ہوتی۔ اب چوتھی پری کی باری تھی اس نے ہاتھ لہرائے

اور سنہری سیب بن کر شاخوں سے لٹکنے لگی۔ اسی وقت توے
کی طرح کالا ایک گدھ نمودار ہوا اور درخت پر بیٹھ کر اپنی
بھدی آواز میں گانے لگا۔ گانا گاتے ہوئے وہ سنہری سیب
کھاتا جا رہا تھا اور اس شاخ سے اس شاخ پر پھدک پھدک
کر ناچ رہا تھا۔

اسی وقت بادشاہ کی آنکھ کھل گئی۔ بادشاہ کی نیند اب اڑ
چکی تھی۔ وہ بے چینی سے خواب گاہ میں ٹہلنے لگا۔ اس کے
ل میں شدت سے یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ ایسا عجیب اور
نوبصورت درخت اس کے باغ میں ہونا چاہیے۔ صبح ہوئی تو
ادشاہ نے شاہی نجومی کو طلب کیا اور اپنا خواب سنا کر پوچھا۔

"آخر وہ کیسی پریاں تھیں، کہاں سے آئی تھیں اور میں
نہیں کس طرح حاصل کر سکتا ہوں اور اتنے خوبصورت
رخت پر بیٹھنے والا کالا گدھ کیا تھا؟"

نجومی نے فوراً حساب لگایا اور بولا۔

"جہاں پناہ کا اقبال بلند ہو۔ غیب کا علم تو خدا ہی جانتا
ہے مگر اس نے مجھے جو علم عطا کیا ہے۔ اس کے مطابق وہ
یاں کوہ قاف کے ایک ظالم جادوگر کی قید میں ہیں۔ ان کا

نام ڈھما ڈھم جادوگر ہے۔ آپ نے درخت پر جو کالا گدھ دیکھا تھا وہ ڈھما ڈھم جادوگر ہی تھا۔ اسے مار کر پریوں کو حاصل کیا جا سکتا ہے"۔

بادشاہ نے فوراً اعلان کروا دیا کہ جو بھی کوہ قاف جا کر ڈھما ڈھم جادوگر کو مار کر چاروں پریاں آزاد کرا کے لائے گا اسے آدھی سلطنت دے دی جائے گی۔ سلطنت کے لالچ میں بہت سے نوجوان گئے مگر ڈھما ڈھم سے نہ بچ سکے' بادشاہ کے وزیر کا ایک بیٹا تھا جسے بادشاہ اپنے بیٹوں کی طرح چاہتا تھا۔ وہ بڑا بہادر سچا اور رحمدل انسان تھا۔ اس نے جب بادشاہ کو اداس دیکھا تو کوہ قاف جانے کا ارادہ کیا اور ایک رات محل سے نکل پڑا۔

وزیر زادے کو کچھ علم نہ تھا کہ کوہ قاف کدھر ہے۔ وہ تو خدا کے بھروسے پر نکل کھڑا ہوا تھا اور جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ اس کی دل سے عبادت کرتے ہیں' خدا ان کی مدد ضرور کرتا ہے۔ وزیر زادہ جنگل سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک نہایت زخمی شخص کو دیکھا جو جھاڑیوں میں پڑا ہائے ہائے کر رہا تھا۔ وہ بری طرح

لہولہان تھا۔ وزیرزادہ اسے اٹھا کر ایک سایہ دار درخت تلے لایا۔ اسے اپنی چھاگل سے پانی پلایا اور زخم دھو کر پٹی باندھ دی۔ اس شخص نے بتایا کہ وہ ایک سوداگر ہے جسے ڈاکو دولت چھین کر زخمی کر کے یہاں پھینک گئے ہیں۔ اس کے بعد اس شخص نے پوچھا۔

"اے نیک دل انسان تو اس بھیانک جنگل میں کیا کر رہا ہے؟"

وزیرزادے نے اسے ساری بات بتائی تو وہ کہنے لگا۔

"میں تمہاری اور تو کوئی مدد نہیں کر سکتا مگر مجھے ایک منتر آتا ہے جس سے انسان جانوروں اور پرندوں کی بولیاں سمجھ سکتا ہے۔ میں وہ منتر تمہیں بتائے دیتا ہوں شاید یہ تمہارے کسی کام آ سکے"۔

سوداگر نے وزیرزادے کو منتر بتا دیا اور چل دیا۔ وزیرزادہ آگے بڑھنے لگا۔ ایک دریا کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے دو مچھلیوں کو کنارے پر تڑپتے دیکھا۔ جو جانے کس طرح پانی سے نکل کر یہاں آ گری تھیں' ایک مچھلی نے وزیرزادے کو دیکھ کر کہا۔

"اے انسان ہمیں دوبارہ پانی میں ڈال دے ورنہ ہم مرجائیں گی"۔

دوسری مچھلی بولی۔ کیسی باتیں کرتی ہو۔ یہ آدم زاد ہماری زبان کس طرح سمجھ سکتا ہے اور ویسے بھی انسان تو ہمیں بھون کر کھا جاتے ہیں"۔

وزیرزادہ ان کی باتیں سمجھ رہا تھا۔ اس نے دونوں مچھلیوں کو اٹھایا اور جھیل میں پھینک دیا۔ مچھلیوں نے پانی میں غوطہ لگایا پھر سر اٹھایا اور بولیں "ہم ہمیشہ تمہیں یاد رکھیں گی۔ تم نے ہمیں موت سے بچایا ہے۔ کاش! کبھی وہ وقت بھی آئے جب ہم تمہاری مدد کر سکیں۔ ایسا وقت آیا تو پانی کی طرف منہ کر کہنا۔ "آؤ مچھلیو! میری مدد کرو"۔ ہم جہاں بھی ہوں گی تمہاری مدد کے لئے فوراً پہنچ جائیں گی۔ اچھا خدا حافظ"۔

مچھلیاں غوطہ لگا کر پانی میں چلی گئیں اور وزیرزادہ آگے بڑھ گیا۔ کچھ آگے جا کر اس نے چیونٹیوں کی ایک لمبی قطار دیکھی۔ اسی وقت اسے چیونٹی ملکہ کی آواز سنائی دی "کاش! یہ انسان اس راستے سے ہٹ جائے ورنہ اس کے پاؤں تلے آ کر میری رعایا کی بہت بڑی تعداد ہلاک ہو جائے گی"۔



وزیرزادے نے یہ سنا تو دوسرے راستے کی طرف مڑ گیا۔ چیونٹیوں کی ملکہ چلائی۔

"میں ہمیشہ تمہیں یاد رکھوں گی۔ اگر کبھی میری مدد کی ضرورت پڑی تو مجھے پکار لینا"۔

وزیرزادہ چلا جا رہا تھا کہ اسے مدد مدد کی باریک سی آواز سنائی دی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا کوئی نہ تھا مگر مدد مدد کی آواز آ رہی تھی۔ وزیرزادے نے کان لگا کے سنا تو معلوم ہوا کہ یہ آواز سامنے والی جھاڑیوں میں سے آ رہی تھی۔ وہ اس

طرف بڑھا تو دیکھا کہ ایک بونا انسان جھاڑیوں میں پھنسا ہوا ہے۔ یہ بونا انسانی انگوٹھے کے برابر تھا۔ وزیرزادے نے اسے اٹھا کر ہتھیلی پر رکھ لیا۔ بونا کہنے لگا۔

"میں اس جنگل کے بونوں کا بادشاہ ہوں۔ میری سلطنت ایک درخت کے نیچے واقع غار میں ہے۔ آج میں غار سے باہر نکل کر سیر کر رہا تھا کہ ایک چیل نے جھپٹا مارا اور مجھے پنجوں میں دبوچ کر لے اڑی۔ میں نے شور مچایا تو چیل نے گھبرا کے مجھے چھوڑ دیا اور میں ان جھاڑیوں میں آ گرا۔ میں یہاں سے خود نہیں نکل سکتا تھا۔ شکر ہے کہ تم آ گئے اور میری مدد کی۔ کیا میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں"۔

وزیرزادے نے اسے بات بتائی تو وہ کہنے لگا "اس ڈھما ڈھم کی ایسی تیسی۔ میں تمہیں ایک چادر دوں گا۔ اس چادر کی خاصیت یہ ہے کہ اسے اوڑھ لیا جائے تو انسان سب کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ یہ کئی سو سال سے ہمارے شاہی خاندان کی ملکیت ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو"۔

وزیرزادہ چل پڑا۔ وہ ایک گھنے درخت تلے پہنچے تو بونا بادشاہ اپنی سلطنت میں چلا گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ساتھ کئی بونے تھے جنہوں نے طلسمی چادر اٹھا رکھی تھی۔ یہ چادر رومال کے برابر تھی۔ وزیرزادے نے اسے لے کر جیب میں رکھ لیا۔ بونے بادشاہ نے ہی اسے کوہ قاف کا پتہ بتایا۔ منزلوں پر منزلیں طے کرتا مشکلات کا مقابلہ کرتا وزیرزادہ کوہ قاف جا پہنچا۔ یہاں ایک عظیم الشان محل تھا جس کے سامنے دو جن پہرہ دے رہے تھے۔ وزیرزادے نے فوراً بونوں والی چادر سر پر رکھ لی تاکہ جن اسے دیکھ نہ سکیں اور وہ اطمینان سے محل میں داخل ہو گیا۔

یہ ڈھما ڈھم جادوگر کا محل تھا۔ جونہی وزیرزادہ محل میں

داخل ہوا جادو کی مینا چلانے لگی۔

"ڈھما ڈھم ہوشیار خبردار۔ محل میں باہر کا کوئی آدمی گھس آیا ہے۔ خبردار، خبردار"۔

ڈھما ڈھم اس وقت پلنگ پر سو رہا تھا۔ ہڑبڑا کر اٹھا۔ فوراً سامنے والی دیوار پر پھونک ماری۔ دیوار پر ایک کھوپڑی کی تصویر ابھر آئی جس کے منہ سے سرخ زبان لٹک رہی تھی۔

ڈھما ڈھم چلایا۔

"مقدس کھوپڑی کون ہے جو میرے محل میں گھس آیا ہے۔ وہ پہرے دار جنوں سے کس طرح بچ گیا؟"

مقدس کھوپڑی کی زبان ہلی اور آواز آئی ڈھما ڈھم۔ وہ تو مجھے بھی نظر نہیں آ رہا۔ میں اس کی بو سونگھ رہی ہوں۔ وہ کوئی آدم زاد ہے مگر اس کے پاس کوئی پراسرار طاقت ہے تبھی تو وہ مجھے نظر نہیں آ رہا"۔

ڈھما ڈھم جادوگر نے اپنے گنجے سر پر دوہتڑ مارا اچھل کر چھت کو ہاتھ لگایا اور قلابازی کھا کر بولا "میں اسے تباہ و برباد کر دوں گا۔ وہ میری طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا"۔

اتنی دیر میں وزیرزادہ جادوگر کے کمرے میں داخل ہو چکا

تھا۔ جادوگر کوئی منتر پڑھنے میں مصروف تھا۔ وزیرزادے نے دیکھا کہ پاس ہی کئی پنجرے پڑے ہیں۔ ان میں چوہے، مینڈک، خرگوش بند تھے۔ شاید جادوگر ان کا خون جادو بنانے میں استعمال کرتا تھا۔ وزیرزادے نے چپکے سے آگے بڑھ کے ایک پنجرہ کھولا اور ایک چوہا پکڑ لیا۔ آگے بڑھ کر جادوگر کی چمکتی ٹنڈ پر ایک کراری چپت لگائی۔ جادوگر بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس وقت وزیرزادے نے چوہا جادوگر کی قمیض میں ڈال دیا۔ چوہا قمیض میں اچھلنے کودنے لگا۔ جادوگر بوکھلا کر گھبرا گیا اس کے منہ سے ایسی عجیب و غریب آوازیں نکلنے لگیں جیسے کتا بلی جھگڑ رہے ہوں۔ ادھر وزیرزادے نے تھپڑوں کی بارش کر دی۔ اوپر سے تھپڑ نیچے چوہے کا ناچ، جادوگر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ سب منتر ونتر بھول گیا اور بری طرح اچھلتا ہوا۔ ہائے ہائے کر رہا تھا۔ جادوگر کے چیلے چانٹے آوازیں سن کر بھاگے آئے اور اپنے استاد کا یہ حشر دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔ وزیرزادے نے ڈراؤنی آواز بنا کر کہا۔ "سب بھاگ جاؤ۔ ورنہ میں تمہاری چٹنی بنا دوں گا۔ ہاہاہا ہی ہو ہو"۔

جادوگر کے چیلوں نے جب یہ بھیانک آواز سنی تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے کہ جس بلا نے ان کے استاد کا یہ حال کر دیا ہے وہ انہیں تو کچا چبا جائے گی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔ اس دوران چوہا جادوگر کی قمیض سے نکل کر نیچے گر گیا تھا لیکن تھپڑ گنجی ٹنڈ کو مسلسل پلپلا کیے جا رہے تھے۔ اب وزیرزادے نے خنجر نکال کر جادوگر کے سینے میں گھونپ دیا۔ جادوگر کے حلق سے زوردار چیخ نکلی اور وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گیا۔

چاروں پریاں اب آزاد ہو چکی تھیں۔ شہزادے نے طلسمی چادر سر سے اتاری اور ان کے سامنے ظاہر ہو گیا۔ انہیں ساری کہانی سنائی تو وہ بڑی شکرگزار ہوئیں۔ پہلی پری نے کہا۔

"اے آدم زاد۔ ہم پر تیرا احسان ہے لیکن ہم اس وقت تک تیرے ساتھ نہیں جا سکتیں۔ جب تک تم ہماری دو شرطیں پوری نہ کر دو"۔

وزیرزادے نے پوچھا "وہ دو شرطیں کیا ہیں؟"

پری نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور پاس بہتے دریا



ں پھینک کر بولی۔ "پہلی شرط تو یہ ہے کہ اسے ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر پانی میں سے ڈھونڈ کر لاؤ۔ ہم کل صبح تمہارے پاس آئیں گی"۔ یہ تو ناممکن سی بات تھی۔ وزیرزادہ دن بھر دریا ں غوطے لگا لگا کر انگوٹھی تلاش کرتا رہا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ام کے وقت وہ تھک ہار کر دریا کے کنارے اداس بیٹھا تھا کہ اچانک اسے مچھلیوں کا خیال آیا۔ یہ وہی دریا تھا جو جنگل سے کوہ قاف کے آگے تک بہتا تھا۔ وزیرزادے نے مچھلیوں سے مدد لینے کا فیصلہ کیا اور پانی میں جھک کر بولا۔

آؤ مچھلیو! میری مدد کرو"۔ اتنا کہنا تھا کہ پانی میں ہلچل پیدا ہوئی اور دنوں مچھلیوں نے پانی سے سر نکال کر کہا۔

"ہم حاضر ہیں۔ بتاؤ ہم تمہاری کیا مدد کر سکتی ہیں؟"

وزیرزادے نے انہیں انگوٹھی ڈھونڈنے کا کہا۔ مچھلیاں منٹوں میں انگوٹھی لے آئیں اور وزیرزادے کے حوالے کر کے چلی گئیں۔ صبح جب پریاں آئیں تو وزیرزادے نے انگوٹھی انہیں دے دی تب چاروں پریوں نے باجرے کے چار تھیلے زمین پر بکھیر دیئے بڑی پری نے کہا۔

"تمہیں یہ بیج کل صبح تک اکٹھے کرنا ہیں۔ اگر تم کامیاب ہو گئے تو ہم تمہارے ساتھ چلی جائیں گی"۔

وزیرزادہ سوچنے لگا کہ یہ کسی طرح ہو سکے گا۔ کوئی ترکیب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ کام تو کئی شخص مل کر بھی ایک دن میں نہیں کر سکتے تھے۔ وزیرزادہ یہ سوچ اداس ہو گیا کہ وہ یہ شرط پوری نہ کر سکے گا اور ناکام واپس جائے گا۔ یکایک وزیرزادہ اچھل پڑا۔ اسے چیونٹیوں کی ملکہ یاد آ گئی تھی۔ وہ یقیناً اپنی رعایا کے ساتھ مل کر یہ کام کر سکتی تھی۔ وزیرزادے نے جنگل کی طرف منہ کر کے کہا "آؤ چیونٹیو! میری مدد کرو"۔

کچھ ہی دیر بعد چیونٹیوں کی ایک بڑی فوج آتی دکھائی ں۔ ان کے آگے ملکہ چیونٹی تھی اس نے کہا۔

تم نے ہمیں پکارا ہم آ گئیں۔ بتاؤ ہمارے لئے کیا حکم ہے؟"

وزیرزادے نے کہا۔ "مجھے زمین پر بکھرے ہوئے جرے کے یہ بیج اکٹھے کر دو"۔

"ارے یہ بھی کوئی کام ہے"۔ چیونٹی ملکہ نے ہنس کر ا اور اپنی تمام رعایا سمیت کام میں لگ گئی۔ چند گھنٹوں میں ہوں نے باجرے کے تمام بیج اکٹھے کر دیئے اور چلی گئیں۔ گلے دن سورج طلوع ہوا تو چاروں پریاں آئیں۔ بیج اکٹھے بھ کر وہ بڑی حیران ہوئیں۔ وزیرزادے نے ان کی ساری رطیں پوری کر دی تھیں۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ چلنے پر ضامند ہو گئیں۔ پریوں نے وزیرزادے کو اٹھایا اور اڑتی ئی ملک شام پہنچ گئیں۔

بھرے دربار میں چاروں پریوں نے مل کر درخت کا پ دھارا تو بادشاہ بے حد خوش ہوا اور وعدے کے مطابق ھی سلطنت وزیرزادے کو دے دی۔

پتھر کی شہزادی



میرانام سلطان ہے اور میرا شمار شہر کے گنے چنے
یسوں میں ہوتا ہے۔ میری عمر اس وقت ۲۰۰ سال کے لگ
ل ہے مگر میں ابھی تک جوان ہوں جبکہ میرے بیٹوں کے
ے بوڑھے ہو کر مر کھپ گئے ہیں۔

میری اس لمبی عمر کا راز کیا ہے؟ میں ایک غریب انسان
ے رئیس کیسے بنا؟ یہ ایک ایسی ہولناک داستان ہے کہ
رے واقعات یاد کر کے ابھی بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو
تے ہیں۔

یہ آج سے دو سو برس پہلے کی بات ہے میں اس وقت
ن تھا اور ایک فرم میں ملازم تھا جو امپورٹ ایکسپورٹ کا
کرتی تھی۔ کام کے سلسلے میں مجھے ایک بار بیرون ملک جانا
۔ مجھے بحری جہاز سے سفر کرنا تھا۔ چنانچہ مقررہ تاریخ کو میں
رگاہ پہنچا اور بحری جہاز میں سوار ہو گیا۔ اس وقت میں
چ بھی نہ سکتا تھا کہ میں اپنی منزل پر کبھی نہیں پہنچ سکوں
۔

دو عرشوں والا بڑا بحری جہاز تھا۔ اس میں گیارہ سو کے
بھگ مسافروں کی گنجائش تھی۔ جہاز میں کل پانچ سو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

کیبن تھے۔ میں نے بھی ایک کیبن بک کرایا ہوا تھا۔ جہاز کے بڑے ہال میں مسافروں کی تفریح کا خاطر خواہ انتظام تھا۔ پروجیکٹر کے ذریعہ فلمیں دکھائی جاتیں۔ ان ڈور گیمز کا بھی بندوبست تھا۔ اس لئے سفر بڑے مزے سے کٹ رہا تھا۔

سفر کا چھٹا دن تھا۔ میں اپنے کیبن میں بیٹھا ناول پڑھ رہا تھا کہ زوردار جھٹکے لگے۔ میں گھبرا کر کیبن سے نکلا تو دیکھا کہ ہنگامہ برپا ہے۔ سمندر میں طوفان آ گیا تھا۔ عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار نے قیامت کا سماں باندھ رکھا تھا۔

بڑی بڑی موجیں ٹنوں وزنی جہاز کو تنکے کی طرح ادھر ادھر اچھال رہی تھیں۔ میں کپتان کے کیبن کی طرف بھاگا۔ کپتان انجن روم میں تھا اور جہاز کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا مگر بپھری ہوئی موجوں کے آگے بے بس تھا۔

جب تباہی سامنے نظر آنے لگی تو لائف بوٹس سمندر میں اتاری جانے لگیں۔ مسافروں میں دھکم پیل شروع ہو گئی۔ اپنی جان بچانے کے لئے لوگ سب کچھ بھول گئے تھے۔ عملے کے لوگ چیخ چیخ کر انہیں پرسکون رہنے کی ہدایت کرتے مگر کوئی ان کی بات پر کان نہ دھرتا۔ اس افراتفری میں

جنوں بچے اور بوڑھے پاؤں تلے کچلے گئے۔

لوگ لائف بوٹس میں چھلانگیں لگا رہے تھے۔ مگر جب ف بوٹس میں گنجائش سے زیادہ افراد جمع ہو جاتے تو وہ ٹ جاتی۔ میں بھی ایک لائف بوٹس میں چھلانگ لگا چکا ۔ اس میں پہلے سے کافی لوگ تھے اور ابھی چھلانگیں لگانے سلسلہ جاری تھا کہ عملہ کے کسی فرد نے رسہ کھول دیا۔

لائف بوٹ موجوں پر اچھلی اور الٹ گئی۔ میں مضبوطی ے کشتی کے کنار کو پکڑے ہوئے تھا۔ خدا کو زندگی منظور ں اور قسمت میں ان ناقابل یقین واقعات سے دو چار ہونا ما تھا جو اب آپ کو سنا رہا ہوں۔

کشتی جب سیدھی ہوئی تو میں اس کے اندر تھا۔ ں بے شمار لوگ چیختے چلاتے پانی میں کبھی ڈوب رہے تھے تو ں ابھر رہے تھے۔ جہاز کا پچھلا حصہ پانی میں گم ہوتا جا رہا ۔ انسان کتنا بے بس اور حقیر ہے اس کا احساس مجھے ڈو وں کو دیکھ کر ہو رہا تھا۔

کشتی موجوں پر اچھلتی گرتی جہاز سے دور ہوتی جا رہی ی۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ سینکڑوں لوگ میرے

سامنے بپھری موجوں کی خوراک بن گئے اور میں چاہنے کے باوجود ان کی مدد نہ کر سکا۔

لہروں پر سفر کرتی کشتی جہاز سے بہت دور نکل آئی۔ سمندر رفتہ رفتہ پرسکون ہوتا چلا گیا۔ میرے چاروں طرف تاحد نظر نیلا پانی اور سر پر نیلا آسمان پھیلا ہوا تھا۔ جان بچ جانے پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

سورج غروب ہو گیا۔ رات بے حد سرد تھی میں کشتی کے ایک کونے میں ٹھٹھرتا رہا۔ کشتی کس طرف جا رہی تھی مجھے کچھ پتہ نہ تھا۔ بیتے ہوئے لمحے اتنے خوفناک تھے کہ ان کا تصور کر کے کپکپی طاری ہو جاتی۔

رات گزری دن چڑھ آیا تو بھوک کا احساس ہوا۔ مگر یہاں تھا ہی کیا جو میں کھا سکتا۔ سمندر کے ٹھنڈے اور کھارے پانی کا گھونٹ بھرنا چاہا تو ابکائی آ گئی۔ کشتی اب ہولے ہولے جا رہی تھی۔ سورج سر پر آگیا تو اس کی تپش ناقابل برداشت ہو گئی۔

میں نے قمیض اتار کر سمندر کے پانی سے بھگوئی اور جسم پر ڈال لی۔ اس سے قدرے سکون ملا۔ چاروں طرف

لہروں پانی دیکھ کر مجھے وحشت ہونے لگتی اور میں گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگتا کہ زندہ سلامت زمین تک پہنچ جاؤں۔

دو دن گزر گئے۔ بھوک کے مارے پیٹ اندر کو دھنس گیا تھا۔ میری حالت بے حد خستہ ہو رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں کشتی کے ارد گرد منڈلاتی رہتی تھیں اور کبھی کبھار کوئی مچھلی اچھل کر کشتی میں آ گرتی اور پھر دوبارہ سمندر میں چلی جاتی۔ بھوک سے تنگ آ کر میں کنارے لگ کر بیٹھ گیا اور جھپٹا مار کر ایک مچھلی پکڑ لی۔

مچھلی میرے ہاتھ میں تڑپنے لگی اور میں نے جیب سے چاقو نکال کر اسے ذبح کیا اور کچا ہی چبانے لگا اس طرح بھوک تو کسی حد تک مٹ گئی مگر پیاس اور بھڑک اٹھی تھی۔ پھر خدا نے پانی کا مسئلہ بھی حل کر دیا۔ آسمان پر کالے بادل امڈ آئے اور بارش ہونے لگی۔

میں نے بھی جی بھر کر پانی پیا اور خوب نہایا مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے نئی زندگی ملی ہو۔ اسی شام بہت دور مجھے سرمئی رنگ کی لکیر سی نظر آئی۔ میں اچھل پڑا زمین نظر آ گئی تھی۔ خوش قسمتی سے ہوا کا رخ بھی ادھر ہی تھا۔ زمین



نزدیک آتی گئی اور اس کے کنارے لگے درخت نظر آنے لگے۔

میں نے پانی میں چھلانگ لگا دی اور تیرتا ہوا زمین کی طرف بڑھا۔ آپ تصور نہیں کر سکتے کہ مجھے کس قدر خوشی ہوئی تھی۔ کافی دیر تک میں ساحل پر پڑا ستاتا رہا۔ پھر اٹھا اور ناریل کے درخت سے ناریل توڑ کر ان کا پانی پینے کے علاوہ بھوک بھی مٹائی اور جزیرے کا جائزہ لینے لگا۔

سامنے ایک جنگل پھیلا ہوا تھا۔ زندگی کے آثار نظر ں آ رہے تھے۔ رات میں نے یہیں گزاری اور صبح میں پڑا جنگل زیادہ طویل ثابت نہ ہوا اور جنگل سے نکلتے ہی ں کے مارے میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ سامنے چھوٹی ئی عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔

میں نے اس طرف دوڑ لگا دی۔ سب سے پہلے مجھے ے گھوڑا نظر آیا جو گھاس چر رہا تھا مگر جونہی میں اس کے ب پہنچا مجھے حیرت کا ایک جھٹکا لگا گھوڑا سیاہ چمکدار پتھر کا ا۔ اس کا ایک پاؤں یوں آگے کو اٹھا ہوا تھا جیسے آگے بڑھنا ہتا ہو۔

اس سے کچھ فاصلے پر ایک شخص بیٹھا تھا مگر وہ بھی پتھر کا ا۔ اس کے ہاتھ میں ایک رسی تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ھیلی ہوئی تھی۔ سرسری نظر سے دیکھنے پر وہ گھوڑا اور شخص صلی اور گوشت پوست کے لگتے تھے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ں شخص کو چھوا وہ پتھر کا ہی تھا۔

میں گھبرا گیا۔ پھر سوچا شاید یہ کسی سنگ تراش کا کمال ہے۔ میں عمارتوں کی طرف بڑھا۔ پھر میری حیرت دو چند ہو

گئی۔ عمارتوں میں مجسمے موجود تھے۔ کوئی بیٹھا ہوا تھا' چارپائی پر آرام کر رہا تھا' کسی کا ایک پاؤں یوں اٹھا ہو جیسے چلتے چلتے رک گیا ہو۔

خوف کی ایک سرد لہر مجھے اپنے جسم میں دوڑتی محسوس ہوئی۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی میں آنکھ پھاڑے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ ان عمارتوں میں موجود ہر شے کی تھی۔ بس میں ایک واحد انسان تھا جو زندہ تھا۔

ایک عمارت کے باہر دو مجسمے ہاتھ میں نیزے تھا یوں کھڑے تھے جیسے پہرہ دے رہے ہوں۔ میں عمارت داخل ہو گیا۔ عمارت بے حد شاندار تھی۔ ایک بڑے میں مجسمے اس طرح بیٹھے تھے جیسے دربار لگا ہو۔ ان سامنے تخت پر عورت اور مرد کے مجسمے تھے دونوں نے ش لباس پہن رکھا تھا۔

میں حیران پریشان عمارت کے کمروں میں گھومتا رہا۔ ہر پتھر کی تھی ایک سجی ہوئی خواب گاہ میں بے حد سورت شہزادی سو رہی تھے۔ یوں لگتا تھا' جیسے ابھی جاگ اٹھ بیٹھے گی۔ میں نے اسے چھوا تو پتہ چلا کہ یہ بھی پتھر کی ہے۔

میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ یا خدا یہ کیا ماجرا ہے۔ یہ پتھر کا پتھر کے لوگ آخر راز کیا ہے؟ اب میرا خوف کسی حد ب دور ہو چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ سب پتھر کے ہیں۔ مجھے ئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

دن گزر گیا اور رات آ گئی۔ میں شہزادی کی خواب گاہ ں موجود تھا اور سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ ہلکی سی کراہ ائی دی۔ میرا تو رواں رواں کانپ اٹھا۔ خوف کی شدت سے ں لگتا تھا کہ دل دھڑکنا بند ہو جائے گا۔

ڈرتے ڈرتے چاروں طرف دیکھا مگر کوئی نہیں تھا۔ میں

نے اپنا وہم خیال کیا لیکن اسی وقت دوبارہ آواز آئی۔ اس
میں نے واضح طور پر سنا تھا اس لئے شک کی گنجائش نہ تھی۔
میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں کمرے میں نظر دوڑا
پھر اچانک ایک کونے میں موجود شمعدان میں لگی موم بتیا
خود بخود روشن ہو گئیں۔ میرا تو یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں
بھاگ جانا چاہا مگر ٹانگوں نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔

کراہنے کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ آواز اس مسہری ک
طرف سے آئی تھی جس پر پتھر کی شہزادی لیٹی ہوئی تھی۔ پھ
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی پراسرار طاقت نے مجھے اپ
آہنی شکنجے میں جکڑ لیا ہو۔ میں آنکھیں پھاڑے تکتا رہ گیا۔ و
منظر ہی ایسا تھا۔ پتھر کی شہزادی زندہ ہو رہی تھی۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اٹھ بیٹھی اور چھوٹے چھوٹے
قدم بڑھاتی میری طرف بڑھنے لگی۔ میں نے سوچا چیخوں
چلاؤں لیکن حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔ حلق تو خشک ہو رہ
تھا۔ وہ میری طرف آتی گئی۔

پتھر کی وہ شہزادی میرے پاس آ کر رک گئی۔ پھر کمرے
میں آواز گونجی "اے اجنبی خوف کو دل سے نکال دے۔

ں یہاں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تم تو ہمارے نجات
رہ بن کر آئے ہو"۔

"تت تت، تم کون ہو۔ ابھی تو پتھر کی تھیں"۔ میں نے
ب اٹک کر کہا۔

میں اس سلطنت کی شہزادی ہوں۔ یہ جادو کی سلطنت
ہے۔ اب یہاں زندگی اور موت کا چکر نہیں چلتا۔ یہاں وقت
ی رفتار بہت تیز ہے۔ یوں سمجھ لو تمہاری دنیا کا ایک سال
ر یہاں کا ایک دن برابر ہے"۔ شہزادی نے جواب دیا۔

میں منہ کھولے اس کی بات سن رہا تھا۔ شہزادی نے
دبارہ کہنا شروع کیا۔ "تم نے پتھر کے جتنے مجسمے دیکھے ہیں وہ
ب انسان ہیں مگر جادو کے زور سے پتھر کے بنا دیئے گئے
یں۔ بات یہ ہے کہ ہماری سلطنت کا سب سے بڑا جادوگر
ھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ بوڑھا تھا میں نے انکار کر دیا
ور اس نے طیش میں آ کر سب کو پتھر کا بنا دیا۔ ان میں
صرف میں وہ واحد ہستی ہوں جو رات کے وقت پتھر سے
دوبارہ انسان بن جاتی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ اگر میں جادوگر
سے شادی پر رضا مند ہو جاؤں تو اسی محل کے نیچے جادوگر

رہتا ہے اسے بتا دوں۔

وہ جادوگر ایک ماہ سوتا اور ایک ماہ جاگتا ہے۔ یہ مہینہ اس کے سونے کا ہے اسی لئے تم اب تک زندہ ہو ورنہ وہ تمہیں جلا ڈالتا یا پھر پتھر کا بنا دیتا"۔ یہ کہہ کر شہزادی خاموش ہو گئی اور میری طرف دیکھنے لگی۔

"اے شہزادی! اس جادوگر کے خاتمے کی کوئی تدبیر نہیں ہے؟"۔ میں نے پوچھا۔ اب میرے اوسان کافی حد تک بحال ہو چکے تھے۔

"تم ہماری دنیا سے تعلق نہیں رکھتے۔ تم چاہو تو اسے ہلاک کر سکتے ہو۔ سامنے دیوار پر جو تلوار لٹک رہی ہے یہ جادو کی تلوار ہے اس سے تم جادوگر کے علاوہ اس کے قبیلے میں موجود تمام بلاؤں کا مقابلہ کر سکتے ہو"۔ شہزادی نے جواب دیا۔

"تم اس تلوار کو استعمال کیوں نہیں کرتیں"۔ میں نے کہا۔

"اگر میں دیوار کے قریب جاؤں گی تو جل جاؤں گی۔ جادوگر نے جادو کر رکھا ہے"۔ شہزادی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں تمہاری مدد کروں گا"۔ میں نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔ "خدا نے چاہا تو ظالم جادوگر مٹ جائے گا"۔

"تو پھر تلوار دیوار سے اتار لو۔ میں اس خفیہ راستے تک تمہاری راہنمائی کروں گی جو جادوگر کے ٹھکانے تک جاتا ہے"۔ شہزادی نے مسکرا کر کہا۔

میں نے کلمہ پڑھتے ہوئے تلوار اتار لی۔ تلوار غیر معمولی طور پر وزنی تھی اور اس کی دھار بے حد تیز تھی۔ شہزادی نے مجھے اپنے پیچھے آنے کو کہا اور باہر چل دی۔ مختلف کمروں سے گزر کے ہم ایک کنویں کے قریب پہنچے۔ شہزادی بولی۔

"اے رحمدل انسان۔ اس کنویں کی تہہ میں وہ خفیہ دروازہ ہے جو جادوگر کے اڈے تک جاتا ہے۔ تم تلوار دروازے سے لگا دینا۔ دروازہ خود بخود کھل جائے گا"۔

"خدا حافظ شہزادی۔ میں انشاء اللہ کامیاب لوٹوں گا"۔ میں نے کہا اور آنکھیں بند کر کے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔ مجھے ایسے لگا جیسے میں کسی تاریک غار میں گرتا جا رہا ہوں۔ خاصی دیر بعد میرے پاؤں فرش سے ٹکرائے میں نے

آنکھیں کھول دیں اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میرے چاروں طرف پانی ہے مگر میرے کپڑے خشک ہیں۔ سامنے ایک دروازہ تھا۔ میں نے دروازے سے تلوار لگائی۔ خوف ناک چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ سامنے سیڑھیاں تھیں جو نیچے کو جا رہی تھیں۔ میں اللہ کا نام لے کر چل دیا۔ دروازہ خود بخود بند ہو گیا تھا۔ جس سے اندھیرا چھا گیا مگر تلوار سے ہلکی ہلکی روشنی پھوٹنے لگی۔ اور میں سیڑھیاں اترنے لگا۔

آخری سیڑھی پر قدم رکھتے ہی میرے کانوں میں بھنبھناہٹ سنائی دی اور ایک طوفان کی طرح سینکڑوں چمگادڑیں چیختی چلاتی میری طرف بڑھیں۔ میں نے تلوار سیدھی کی دوسرے ہی لمحے وہ جلنے لگیں اور غائب ہو گئیں۔

میں آگے بڑھا۔ سامنے طویل سرنگ تھی۔ جونہی میں نے سرنگ میں قدم رکھا چیخ و پکار کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ ہزاروں بدروحیں مل کر چلا رہی ہوں۔ خوف کے مارے میرے حالت پتلی ہو گئی۔ خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر کھڑا میں ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر کلمہ پڑھتا ہوا آگے بڑھا۔ اسی لمحہ انسانی ڈھانچے نمودار ہوئے اور قہقہے لگاتے میری طرف بڑھے۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔

مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ڈھانچے میرے قریب آنے کی بجائے کچھ فاصلے پر رک گئے۔ اور مجھے ڈرانے کے لئے الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگے۔ میں نے تلوار گھمائی اور تمام ڈھانچے چیختے چلاتے الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے جاتے ہی ایک بہت بڑا اژدہا نظر آیا جو آگ اگلتا میری طرف آ رہا تھا۔ میرے تو پسینے چھوٹ گئے۔ موت سامنے نظر آنے لگی۔ اژدہے نے قریب آ کر زبان لپلپائی اور آواز آئی۔

"اے آدم زاد زندگی چاہتا ہے تو بھاگ جا۔ اس تلوار کو ہاتھ سے پھینک دے ورنہ میں تجھے نگل لوں گا"۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بھی تلوار سے خوفزدہ ہے اور تلوار چھیننا چاہتا ہے۔ میں تلوار اس کی طرف بڑھائی اور اژدہا غائب ہو گیا۔

سفر کا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔ سرنگ شیطان کی آنت کی طرح لمبی تھی۔ میں کئی دن اس میں چلتا رہا مگر وہ ختم ہونے کا

نام ہی نہ لیتی تھی۔ سات دن بعد اللہ اللہ کر کے سرنگ ختم ہوئی۔ میں ایک بڑے باغ میں پہنچا تو دیکھا کہ شہزادی ایک چبوترے پر بیٹھی ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی اور بولی "تم بہت بہادر ہو تم نے طلسم فتح کرلیا۔ یہ تلوار مجھے دے دو"۔

قریب تھا کہ میں تلوار اسے دے دیتا۔ مگر پھر خیال آیا کہ جادوگر سے تو ابھی ٹکراؤ ہوا ہی نہیں طلسم کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ بس یہ خیال آتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ بھی جادوگر کا کوئی چیلا بیٹھا ہے۔ میں تلوار اس کی طرف بڑھائی تو اس نے زوردار چیخ ماری۔ شہزادی کی جگہ ایک بھتنی کھڑی تھی۔

کالا رنگ' بالوں میں سانپ کلبلا رہے تھے۔ آنکھیں اس طرح لال جیسے دو انگارے ہوں۔ اس کے پیلے پیلے دانت ہونٹوں سے باہر جھانک رہے تھے اور ان دانتوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ زور سے ہنسی اور بولی۔

"اے آدم زاد' کیوں زندگی کو دھتکار کر موت کو گلے لگاتا ہے۔ اب بھی تیری جان بخشی ہو سکتی ہے۔ یہ تلوار پھینک دے میں تیرے لئے دولت کے انبار لگا دوں گی"۔

یہ کہہ کر اس نے ہاتھ لہرایا تو فرش پر جگمگ جگمگ

کرتے ہیروں جواہرات کے ڈھیر لگ گئے۔ ان کی چمک دمک سے میری آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔ ان میں ہر ہیرا بطخ کے انڈے کے برابر تھا۔ بھتنی نے کہا۔

"یہ سارے تجھے مل سکتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ تلوار پھینک دے"۔

مگر میں بھتنی کے جال میں نہ پھنس سکا۔ میں تلوار سونت کے اس کی طرف لپکا اور وہ شور مچاتی بھاگ نکلی۔ ہیرے جواہرات کے ڈھیر غائب ہو گئے۔ باغ سے نکل کر میں ایک کمرے میں پہنچا جس میں تابوت پڑا تھا۔

تابوت بہت بڑا تھا اور اس کا ڈھکن اٹھا ہوا تھا۔ میں تابوت کی طرف بڑھا ہی تھا کہ خوف ناک آوازیں آنے لگیں۔ بھوت' چڑیلیں اور بھتنیاں مجھے ڈرانے لگیں۔ تلوار ہونے کی وجہ سے وہ میرے پاس نہ آ سکتی تھیں۔ میں ہمت کر کے آگے بڑھا۔ اس وقت ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اڑ جاؤں گا۔

پھر تابوت سے جادوگر نکلا۔ اس کا جسم بھینسے جیسا تھا۔ جس پر بڑے بڑے کالے بال اگے ہوئے تھے۔ آنکھیں

عقاب ایسی اور ناک طوطے کی طرح مڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ناریل تھا۔ جادوگر کی آنکھوں سے خوفناکی اور وحشت ٹپک رہی تھی۔ اس نے ایسا زور دار قہقہہ لگایا کہ در و دیوار کانپ اٹھے پھر وہ بولا۔

"تم نے ہمارے آرام میں خلل ڈالا ہے۔ ہم تجھے بھسم کردیں گے۔ لے بھیانک موت کے لئے تیار ہو جا"۔

یہ کہہ کر جادوگر نے ناریل زور سے زمین پر دے مارا۔ ناریل پھٹ گیا۔ اس سے دھواں نکلا جس نے ایک جن کی صورت اختیار کرلی۔ وہ جن میری طرف لپکا۔ میں نے تلوار مضبوطی سے پکڑ لی۔ پھر جونہی جن میرے پاس آیا میں نے تلوار گھما دی۔ تلوار میرے ہاتھ سے نکل کر بلند ہوئی اور جن کی گردن کاٹ کر پھر میرے ہاتھ میں آگئی۔

جادوگر یہ دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے بھاگنا چاہا مگر میں نے موقع ہی نہ دیا اور چھلانگ لگا کر اس پر جا پڑا۔ جادوگر لگا میری منت سماجت کرنے اور لالچ دینے۔ مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی اور تلوار کا بھرپور وار کر کے اس کی گردن اڑا دی۔

ایک ہیبت ناک دھماکہ ہوا اس کے ساتھ ہی ایک بے

حد بوڑھے اور مکروہ صورت شخص کی لاش میرے سامنے تھی۔ یہ جادوگر تھا۔ کمرہ، باغ، بھوت سب کچھ غائب ہو گیا۔ میں اب اس کنوئیں کے پاس کھڑا تھا جس میں شہزادی کے کہنے پر چھلانگ لگائی تھی۔

طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ پتھر کے مجسمے انسان بن چکے تھے۔ شہزادی بھاگتی ہوئی آئی اور میرا ہاتھ پکڑ کر محل میں لے گئی۔ بادشاہ، ملکہ، درباری سب ٹھیک ہو چکے تھے۔ شہزادی نے جب بتایا کہ میں نے ہی جادوگر کا خاتمہ کیا ہے تو وہ سب میرا شکریہ ادا کرنے لگے۔ بادشاہ نے مجھے اپنے برابر تخت پر بٹھا دیا۔

کئی ماہ تک میں ان کا مہمان رہا۔ واپس اپنی دنیا جانے کی خواہش ظاہر کی تو بادشاہ اور شہزادی نے مجھے روکنا چاہا مگر مجھے وطن کی یاد بری طرح ستا رہی تھی۔ عزیز و اقارب یاد آ رہے تھے۔

بادشاہ نے میرے اصرار پر مجھے واپس بھیجنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ مجھے قیمتی ہیرے جواہرات دیئے گئے۔ پھر بادشاہ نے آنکھیں بند کرنے کو کہا۔ آنکھیں بند کرتے ہی مجھے ایسا

لگا جیسے کہ میں ہوا میں اڑ رہا ہوں۔ مگر میں نے ہدایت کے مطابق آنکھیں بند رکھیں۔ خاصی دیر بعد ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "آنکھیں کھول دو تمہارا شہر آگیا ہے"۔

میں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ اپنے شہر میں موجود ہوں۔ مگر یہ کیا؟ شہر کا تو نقشہ ہی بدل چکا تھا۔ آسمان سے باتیں کرتی عمارتیں شیشے کی طرح چمکتی سڑکیں' جدید موٹر گاڑیاں۔

میں دنگ رہ گیا۔ اپنا گھر تلاش کرنا چاہا مگر وہاں تو بلند عمارت تھی۔ میں نے اپنے بیٹے ندیم کا دریافت کیا تو ایک شخص نے بتایا کہ وہ تو بوڑھے ہو کر مرچکے ہیں۔ حیرت کی زیادتی سے میری آنکھیں پھیل گئیں۔ چند ماہ پہلے ہی تو میں گیا تھا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ شہزادی نے کہا تھا کہ ہماری دنیا کا ایک دن تمہاری دنیا کہ ایک سال کے برابر ہے۔ اس شخص نے مجھ سے پوچھا کہ آپ ندیم کے کیا لگتے ہیں۔ میں نے کہا باپ تو وہ بگڑ کر بولا۔ "کیا مذاق کر رہے ہیں۔ ندیم صاحب تو میرے دادا تھے"۔ مجھے ہنسی آگئی یعنی یہ میرے بیٹے کے بیٹے کا بیٹا تھا مگر پھر بھی عمر میں مجھ سے بڑا تھا میں نے اسے یہ نہ

بتایا کہ بیٹا میں تمہارا پردادا ہوں کیونکہ اس نے ماننا ہی نہ تھا۔ میری داستان ہی ایسی تھی کہ کوئی اس پر یقین ہی نہیں کر سکتا تھا۔ خود مجھے یہ واقعات پیش نہ آئے ہوتے تو کبھی یقین نہ کرتا۔

میں نے ہیرے جواہرات فروخت کر کے کاروبار شروع کر لیا۔ نئی شادی کر لی۔ اب میرے دو بچے ہیں اور مزے سے ہوں۔

آپ کہیئے میری کہانی پر یقین آیا ہے؟

☆====☆====☆

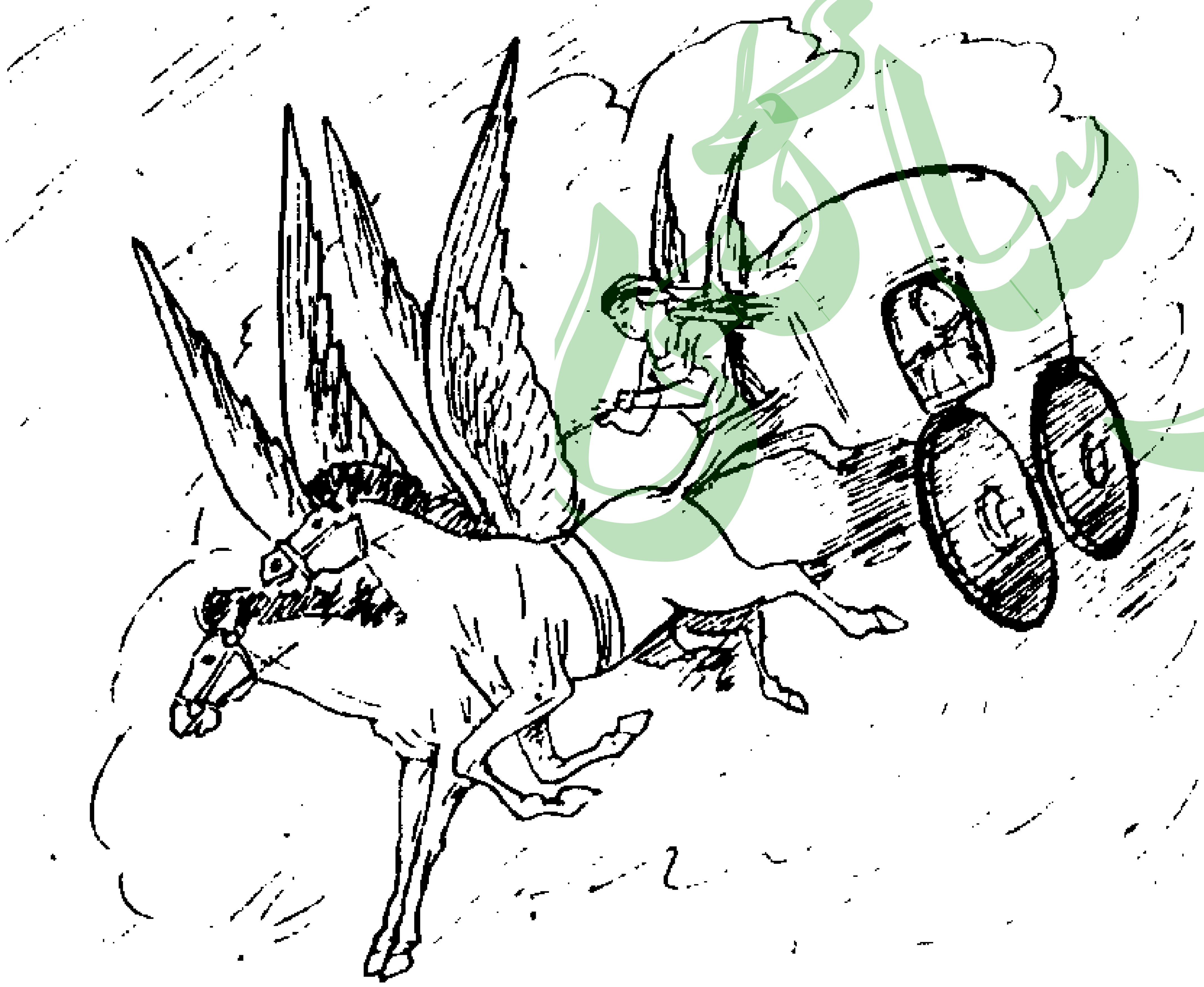
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

پرستان کی ملکہ

کہتے ہیں ملک عراق میں ایک لکڑہارا رہتا تھا۔ اس کا نام ابو موسیٰ تھا۔ وہ اس بھری دنیا میں اکیلا تھا۔ اس کے ماں باپ اس وقت ہی فوت ہو گئے تھے جب موسیٰ ابھی بچہ تھا۔ ایک دن موسیٰ جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گیا۔ صبح سے شام تک وہ لکڑیاں کاٹتا رہا۔ پھر جب اندھیرا پھیلنے لگا تو موسیٰ نے لکڑیوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا۔ وہ دن بھر کی محنت سے بری طرح تھک چکا تھا۔ اس نے سوچا کچھ دیر ستا لوں پھر لکڑیوں کا گھٹا باندھ کر چل دوں گا۔ یہ سوچ کر موسیٰ برگد کے ایک گھنے درخت پر چڑھ کر سو گیا۔

اس درخت پر موسیٰ نے شاخوں کو باندھ کر ایک جھولنا سا بنایا ہوا تھا۔ وہ گرمیوں میں دوپہر کے وقت اس جھولنے مین سویا کرتا تھا۔ آج بھی موسیٰ شاخوں اور پتوں سے بنے جھولنے میں لیٹ گیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ موسیٰ کو نیند آ گئی۔

سورج غروب ہو گیا۔ جنگل کو گھپ اندھیرے نے اپنی آغوش میں لے لیا لیکن کچھ ہی دیر بعد چاند نکل آیا۔ موسیٰ ابھی تک بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ اچانک آسمان پر ایک رتھ



نمودار ہوا۔ اس رتھ کو چار سفید گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ ان چاروں گھوڑوں کی کمر پر رنگین پر تھے۔ یہ پرستان کے اڑنے والے گھوڑے تھے۔ اس رتھ میں پرستان کی ملکہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس رتھ کے پیچھے کئی اور رتھ بھی تھے جن میں پریاں سوار تھیں۔ یہ سب رتھ زمین پر اتر آئے۔

ملکہ پری رتھ سے اتری اور فوراً بولی جشن کا اہتمام کیا جائے۔ ساری پریاں کام میں لگ گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں منگل کا سماں پیدا ہو گیا۔ طلسمی فانوس روشن ہو گئے۔ ان کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ سوئی گرتی تو وہ بھی فوراً مل جاتی۔ برگد کے درخت تلے ملکہ کا تخت بچھایا گیا اور پریاں ناچنے گانے لگیں۔ پریوں کی آواز اس قدر میٹھی تھی کہ پرندوں کو بھی لطف آ گیا۔

موسیٰ لکڑہارا جو ابھی تک سو رہا تھا۔ گانے بجانے کی آوازیں سن کر جاگ پڑا۔ اس نے جب خوبصورت پریوں کو ناچتے گاتے دیکھا تو مارے حیرت کے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پہلے تو اس کے دل میں خیال آیا شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ اس نے جلدی جلدی آنکھیں ملیں،

دانتوں تلے انگلی دابی۔ مگر سب کچھ ویسا ہی رہا۔ یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ موسیٰ سوچنے لگا آخر یہ پریاں اس جنگل میں کہاں سے آ گئیں۔ موسیٰ کے دل میں آیا کہ یہی سوال پریوں سے پوچھے مگر اس نے سن رکھا تھا کہ اگر پریاں آدم زاد کو دیکھ لیں تو قید کر کے پرستان لے جاتی ہیں۔ اس لئے وہ چپ چاپ پڑا یہ تماشا دیکھتا رہا۔

آدھی رات تک پریوں کا یہ جشن جاری رہا پھر پریوں کی ملکہ تخت سے اٹھی اور دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر کے بولی شہزادہ نکولائی کو ہمارے حضور پیش کیا جائے اور دستور کے مطابق ۱۵ کوڑے لگائے جائیں۔

یہ حکم سنتے ہی چند پریاں ایک رتھ سے پری زاد شہزادے نکولائی کو نکال لائیں اور ایک درخت سے باندھ دیا۔ ملکہ کے اشارے پر ایک پری نے کوڑا نکالا' کوڑا ہوا میں لہرایا اور شڑاک کی آواز کے ساتھ شہزادے نکولائی کی کمر پر پڑا۔ شہزادے کی چیخ نکل گئی۔ دوسرا' تیسرا' چوتھا اور پانچواں کوڑا۔ ہر کوڑے پر شہزادے کے حلق سے بڑی دردناک چیخ نکلتی تھی۔ موسیٰ درخت پر بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک رحمدل

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

انسان تھا۔ شہزادے پر ظلم اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے اپنی جان کی پرواہ بھی نہ کی اور درخت سے چھلانگ لگا کر ملکہ پری کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

پریاں تو مارے خوف اور حیرت کے چیخنے چلانے لگیں۔ آدم زاد۔ آدم زاد۔ ملکہ پری نے گرج کر کہا۔ "اے آدم زاد۔ کون ہے تو اور یہاں کیسے آ گیا"۔

موسیٰ بولا "میں ایک غریب لکڑہارا ہوں۔ اس درخت پر سو رہا تھا کہ گانے بجانے کی آوازیں سن کر آنکھ کھل گئی۔ میں خاموش رہا مگر اس مظلوم شہزادے پر ظلم ہوتے دیکھ کر میرا دل بھر آیا۔ اے ملکہ پری! تم اس قدر سنگدل کیوں ہو۔ اس بے چارے شہزادے سے کیا غلطی ہوئی ہے جو اسے اتنی سخت سزا دی جا رہی ہے"۔

ملکہ پری نے یہ سنا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم مجھے سنگ دل کہہ رہے ہو۔ جانتے ہو یہ کون ہے؟ یہ میرا بیٹا ہے اور میں ماں ہو کر بھی اسے یہ سزا دینے پر مجبور ہوں کیونکہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ پرستان میں غلطی چاہے شہزادے سے ہو یا مزدور

سے سب کو قانون کے مطابق سزا ملتی ہے۔ تمہاری دنیا کے قانون کی طرح نہیں کہ طاقتور اور دولت مند بچ نکلتا ہے"۔

"تم صحیح کہتی ہو ملکہ پری"۔ موسیٰ لکڑہارے نے کہا "طاقت ور اور دولت مند وقتی طور پر تو بچ سکتا ہے۔ اس دنیا کی عدالت سے تو رہا ہو سکتا ہے مگر ایک اور بڑی عدالت بھی ہے جہاں صحیح انصاف ہوتا ہے۔ وہ عدالت خدا کی ہے۔ اچھا تم یہ تو بتاؤ آخر شہزادے سے غلطی کیا ہوئی ہے؟"

"اس احمق نے سبز دیو کے چکنی چپڑی باتوں میں آ کر شاہی موتی اس کے حوالے کر دیا۔ آہ یہ اتنی بڑی غلطی ہے کہ پرستان کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔ ہمارے دیوتاؤں کے مطابق پرستان کا حاکم وہی بن سکتا ہے جس کے پاس شاہی موتی ہو۔ اب جونہی میں مروں گی تو سبز دیو پرستان کا بادشاہ بن بیٹھے گا۔ وہ ظالم اور خونخوار دیو پرستان کا بادشاہ اس لئے بننا چاہتا ہے کہ پرستان میں پیدا ہونے والی فصلیں اور پھل اس کے قبضے میں آ جائیں اور وہ انہیں اپنے ساتھی دیوؤں میں بانٹ دیا کرے۔ اس طرح پریاں بھوکی پیاسی رہ کر مر جائیں گی اور پرستان جونہی پریوں سے خالی ہو گا دیو اس پر

قبضہ کر لیں گے"۔

"یہ تو واقعی بہت بڑی غلطی کی ہے شہزادے نے"۔ موسیٰ سر ہلا کر بولا۔

"اس غلطی کی سزا میں اسے ہر چاندنی رات کو زمین پر لا کر کوڑے مارے جاتے ہیں"۔ ملکہ پری نے کہا۔

"ہوں۔ اچھا تو کیا پریاں مل کر سبز دیو سے موتی چھین نہیں سکتی؟؟"۔

"نہیں۔ وہ بے حد خونخوار اور طاقتور ہے۔ پھر اس تک پہنچنا جان جوکھوں کا کام ہے"۔

"ذرا مجھے بتاؤ اس تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟"۔

"یہاں سے سینکڑوں میل دور شمال میں ایک کھنڈر ہے۔ اس کھنڈر میں واقع کنوئیں میں ایک بھتنی رہتی ہے۔ جو بھی بھتنی کے ہتھے چڑھ جائے وہ اس سے ایک سوال پوچھتی ہے اگر اسے صحیح جواب دے دیا جائے تو نہ صرف وہ جان بخشی کر دیتی ہے بلکہ آگے جانے کا راستہ بھی بتا دیتی ہے اور اگر جواب غلط ہو تو خون پی کر ہڈیاں چبا جاتی ہے۔ اور آج تک کوئی اس کے سوال کا صحیح جواب نہیں دے سکا"۔

"اچھا۔ تم مجھے یہ بتاؤ سبز دیو میں کوئی نقص ہے میرا مطلب ہے کیا وہ بہت زیادہ سوتا ہے۔ خوشامد پسند ہے یا لالچی ہے"۔

"وہ بڑا چالاک اور ہوشیار ہے"۔ ملکہ پری نے کہا "دن میں سونا تو ایک طرف رہا رات کو بھی جاگتا رہتا ہے۔ ہاں ایک نقص ہے اس میں دن کی روشنی میں اسے کچھ نظر نہیں آتا لیکن رات کو وہ ایک تنکا بھی دیکھ سکتا ہے"۔

موسیٰ لکڑہارا سوچ میں پڑ گیا پھر بولا "ہمارا دین اسلام کہتا ہے کہ مصیبت زدہ کی مدد کرو۔ کسی کے کام آنا بھی عبادت ہے۔ میں اس مظلوم شہزادے کو کوڑوں کی اذیت سے بچانے کے لئے سبز دیو سے موتی حاصل کرنے کی کوشش کروں گا"۔

"تم! تم" ملکہ پری نے حیرت زدہ لہجے میں کہا "وہ تو تمہیں چٹکی میں مسل دے گا"۔

"جو خدا کو منظور ہو گا وہی ہو گا"۔ موسیٰ لکڑہارے نے مضبوط لہجے میں کہا۔ کیا تم مجھے ان کھنڈرات تک پہنچا سکتی ہو۔ جہاں بھتنی رہتی ہے"۔

"ہاں۔ میرا رتھ تمہیں وہاں پہنچا دے گا مگر ایک بار پھر

سوچ لو کہ تم موت کے منہ میں چھلانگ لگانے جا رہے ہو"۔

موسیٰ زور سے ہنس کر بولا "زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ دیو کی کیا مجال کہ وہ میری جان لے سکے۔ تم یہیں ٹھہرو میں اپنے گاؤں سے چند ضروری چیزیں لے کر آتا ہوں"۔

موسیٰ لکڑہارا اپنے گھر آیا۔ اس نے چمڑے کی ایک تھیلی میں دہی بھرا۔ ایک رسہ لیا اور ایک بھونپو۔

تینوں چیزیں لے کر وہ واپس جنگل میں آگیا اور اڑنے والے گھوڑوں کے رتھ پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے اڑنے لگے۔ ان کی رفتار بے حد تیز تھی۔ دو گھنٹے تک مسلسل اڑنے کے بعد گھوڑے نیچے اترنے لگے اور آہستہ آہستہ زمین پر آ گئے۔

موسیٰ چھلانگ مار کر نیچے آگیا۔

اس کے سامنے ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات دور تک چلے گئے۔ چاند کی زرد روشنی میں یہ کھنڈرات دور سے ان جنوں کی مانند نظر آ رہے تھے جو اکڑوں بیٹھے ہوں۔ موسیٰ خدا کا نام لے کر کھنڈرات میں داخل ہو گیا۔ کھنڈرات میں جگہ جگہ قبریں بنی ہوئی تھیں۔ ٹوٹی پھوٹی قبریں۔

پھر یکایک کھنڈر ایک آواز سے گونج اٹھے۔ ڈراؤنی اور دہشت ناک آواز۔ وہ جسے سن کر رگوں میں دوڑتا خون تھم جائے۔ موسیٰ رک گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر چھن چھن کی آواز کے ساتھ کنوئیں سے بھیانک بھتنی نکلنے لگی۔

اس بھتنی کا قد درختوں سے بھی بڑا تھا۔ لمبوترا چہرہ، ناک کی جگہ ایک گڑھا، انگاروں ایسی آنکھیں اور باہر کو لٹکی ہوئی سرخ زبان، سر پر کانٹوں کی طرح کھڑے بال، کالی ہیبت ناک بھتنی نے دونوں ہاتھ سینے پر مار کر دل ہلا دینے والی چیخ ماری۔ ایسی بھیانک اور ڈراؤنی چیخ کہ موسیٰ ایک بار تو دہل گیا۔ بھتنی نے کہا۔

"آ جا۔ اے انسان میرے پاس آ جا۔ تاکہ میں تیرا خون پی سکوں"۔ یہ کہتے ہوئے اس خبیث بھتنی کی شکل بہت خوفناک ہو گئی تھی۔ موسیٰ نے حوصلہ کر کے کہا۔

"اے بھتنی۔ میں تیرے سوال کا جواب دینے آیا ہوں"۔

"اچھا تم ایسے کئی آتے تھے اور کوئی واپس نہیں گیا"۔

بھتنی بولی ”لے ادھر دیکھ“۔

یہ کہہ کر بھتنی نے دونوں ہاتھ ہوا میں لہرائے تو کھنڈر کی ایک دیوار روشن ہو گئی اور اس پر ایک منظر نظر آنے لگا۔ موسیٰ نے دیکھا کہ اناج کا کھیت ہے جس کے چاروں طرف باڑ لگی ہوئی ہے پھر اچانک یہ باڑ کھیت کو کھانے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے کھیت ختم ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی دیوار بھی تاریک ہو گئی۔ بھتنی نے کہا ”بتا اس کا مطلب کیا ہے؟“

موسیٰ نے فوراً کہا ”یہ تو بڑا آسان سوال ہے یہ کھیت اور باڑ ایک ایسے شخص کا روپ ہے جو بددیانت ہے۔ اس شخص کے پاس کسی نے امانت کے طور پر رقم رکھوائی مگر اس نے امانت میں خیانت کی اور رقم کھا گیا۔ جس طرح کھیت کو باڑ کھا گئی“۔

بھتنی کے ڈیلے تیزی سے گھومنے لگے اس کی سرخ زبان منہ میں چلی گئی اور قد چھوٹا ہو گیا۔ اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ ”اے نوجوان تو نے صحیح جواب دیا ہے بول اب تو کیا چاہتا ہے“۔

موسیٰ بولا ”میں سبز دیو کے قلعے میں جانا چاہتا ہوں مگر ابھی نہیں صبح کی روشنی میں“۔

بھتنی نے کہا ”ٹھیک ہے تمہارا کام ہو جائے گا“۔ یہ کہہ کر بھتنی کے ایک قبر پر پھونک ماری۔ اتنی زوردار پھونک تھی کہ قبر درمیان سے شق ہو گئی۔ قبر میں انسانی ڈھانچہ پڑا تھا۔ ہ اٹھ کھڑا ہو۔ اس کے اٹھنے سے ہڈیوں کے کڑکڑانے کی ھیانک آواز پیدا ہوئی۔ اس ڈھانچے کا سارا جسم تو ہڈیوں کا ھا مگر آنکھیں زندہ انسانوں ایسی تھیں۔ متحرک آنکھیں۔ س نے سر جھکایا اس کے ہونٹوں کی ہڈیاں ہلیں اور بولیں۔

”اے کھنڈرات کی ملکہ۔ تیرا غلام حاضر ہے۔ حکم کر“۔

بھتنی نے کہا ”او میرے غلام ڈھانچے۔ اس انسان کو سبز یو کے قلعے میں لے جا اور پھر واپس لا“۔

ڈھانچے نے ابو موسیٰ کا ہاتھ تھاما۔ ڈھانچے کا پنجہ برف ی طرح سرد تھا۔ ڈھانچہ موسیٰ کو ساتھ لئے زمین میں غرق ہو یا۔ ڈھانچے کے کہنے پر موسیٰ نے آنکھیں بند کر لیں تھیں۔ مین کے اندر دیر تک سفر جاری رہا۔ پھر دونوں زمین کی سطح ابھر آئے۔ موسیٰ نے آنکھیں کھولیں تو سامنے ایک عظیم نان قلعہ نظر آیا جو کالے پتھروں کا بنا ہوا تھا۔ ڈھانچے نے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

کہا۔

"یہی ہے سبز دیو کا قلعہ۔ میں باہر ٹھہرتا ہوں تم چلے جاؤ"۔

دن کا اجالا پھیل چکا تھا۔ موسیٰ اللہ کا نام لے کر قلعے میں داخل ہو گیا۔ قلعے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے عطر کی شیشی اپنے کپڑوں پر انڈیل لی تھی تاکہ دیو اس کی انسانی بو نہ سونگھ سکے۔ قلعے کے اندر باغات اور چشمے تھے۔ یہاں موسیٰ کو سبز دیو بھی نظر آ گیا وہ پھل کھانے میں مصروف تھا۔ موسیٰ نے بھونپو منہ سے لگایا اور بولا۔

"او سبز دیو! ادب سے کھڑا ہو جا۔ ہم کوہ قاف سے دیوؤں کے بادشاہ آئے ہیں"۔

بھونپو سے آواز اس طرح نکلی جیسے بادل گرج رہے ہیں۔ سبز دیو اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے دن کے وقت کچھ نظر تو آتا نہیں تھا۔ وہ بولا

"کیا مجھ سے بڑا بھی کوئی دیو ہے۔ میرا جسم اتنا بڑا ہے کہ دس دیو ایک دوسرے پر کھڑے ہو کر بھی مجھ سے چھوٹے رہتے ہیں"۔

"چپ رہو۔ ہماری شان میں گستاخی نہ کرو"۔ موسیٰ

بھونپو میں بولا۔ "ہمارا نام کڑوا کریلا دیو ہے اور تم ہمارے سامنے چیونٹی ایسے ہو"۔

سبز دیو گھبرا گیا۔ اس نے سوچا جب دیو کی آواز اتنی گرجدار ہے تو وہ خود کتنا بڑا ہو گا۔ "وہ بولا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم واقعی بہت بڑے دیو ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو کیونکہ دن کو میں نہیں دیکھ سکتا"۔

"او ناہنجار دیو۔ ہمیں جھوٹا کہتا ہے۔ لے ہم تیری طرف اپنی مونچھ کا بال پھینک رہے ہیں۔ اس سے ہمارے قد کا اندازہ لگانا"۔

یہ کہہ کر موسیٰ نے رسہ سبز دیو کی طرف پھینکا۔ دیو نے موٹے رسے کو ہاتھ میں ٹٹولا تو دل میں بہت گھبرایا کہ اتنا بڑا دیو کہاں سے آ ٹپکا۔ وہ عاجزی سے بولا۔

"حضور میں مانتا ہوں آپ ہی سب سے بڑے دیو ہیں۔ فرمایئے میرے لئے کیا حکم ہے؟"

موسیٰ دل میں بڑا خوش ہوا کہ اس کی ترکیب کامیاب رہی ہے۔ گرج کر بولا "ہمیں وہ شاہی موتی چاہیے جو تم ستان سے لائے ہو جلدی بتاؤ وہ موتی کہاں ہے ورنہ ابھی

نہاری گردن توڑ کر سارا خون پی
سبز دیو نے سوچا جس دیو کی
ہے وہ تو میری گردن یوں توڑ ڈا
د۔ اس لئے موتی اس کے ح
چاہئے۔ جان ہے تو جہاں ہے۔ وہ
"سرکار ناراض مت ہوں۔
ابھی موتی پیش کرتا ہوں"۔
سبز دیو نے اپنے بالوں میر
دے دیا۔ موسیٰ نے دو تین قہقہ
گیا۔ ڈھانچے کے ساتھ وہ کھنڈر
باہر رتھ میں پریوں کی ملکہ اس
نے موتی اس کے حوالے کیا تو و
شہزادے نکولائی نے موسیٰ کا بھ
پریاں اسے گھر تک چھوڑنے آ
اس کے بعد موسیٰ کبھی
گیا۔ اسے اب ضرورت ہی کیا
جواہرات دیے تھے کہ وہ شہر کا
☆====☆

ں گا۔ ہاہاہاہا!!!"
چھ کا بال اتنا موٹا اور بڑا
گا جیسے کوئی خشک ٹہنی
لے کر کے جان بچا لینا
ر باندھ کر بولا۔
ں تو آپ کا خادم ہوں۔
ے موتی نکال کر موسیٰ کو
ائے اور قلعے سے باہر آ
میں پہنچا۔ کھنڈرات سے
نتظار کر رہی تھی۔ موسیٰ
ے خوشی کے ناچنے لگی۔
ت شکریہ ادا کیا اور سب
۔
ں میں لکڑیاں کاٹنے نہیں
۔ بڑی ملکہ نے اسے اتنے
ے بڑا امیر بن گیا تھا۔
☆===

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام